ماہنامہ
بیداری
حیدر آباد

مدیر
☆☆☆
حافظ محمد موسیٰ بھٹو

زیر اہتمام
☆☆☆
سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
400-بی لطیف آباد4-حیدر آباد
E-MAIL
m.moosabhutto@gmail.com
www.bedarimillat.com

موبائل نمبر:
03463216078

جلد بائیسواں ◯ اکتوبر-نومبر 2026
قیمت: 25روپے، سالانہ: 300روپے

قرآن کا پیام (مستقل سلسلہ)	محمد موسیٰ بھٹو	۲
ہمارے نام		
موجودہ 'دورِ ذہانت' کے چیلنج	حسان احمد	۱۰
انسانی حقوق کا مغربی تصور	از تحریر: مولانا زاہد الراشدی	۲۷
اور اسلامی تصور		
مسلم نفسیات اور جدید نفسیات	محمد موسیٰ بھٹو	۳۳
اہم تجزیہ		
تزکیہ اور روحانی پاکیزگی	محمد موسیٰ بھٹو	۳۷
ذہنی امراض کیوں پیدا ہوتے ہیں؟	مدیر	۵۱
خود شناسی کی ضرورت واہمیت	مدیر	۵۳
میرا مطالعہ	محترمہ مریم جمیلہ مرحومہ:	۵۵
حقیقی مجاہدانہ کردار کی ایک جھلک	پروفیسر چودھری عبدالحفیظ	۶۴
فتنوں کا دور	قاری عرفان العاصم	۶۷
ہمارے کچھ اہم معاملات	محمد موسیٰ بھٹو	۷۳
احادیث نبوی کی روشنی میں		

پبلشر: محمد موسیٰ بھٹو نے یادگار پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ 400بی لطیف آباد-4-حیدر آباد سے شائع کیا

محمد موسیٰ بھٹو

مستقل سلسلہ

قرآن کا پیام

ہمارے نام

اللہ کی طرف دوڑنے کی تاکید

فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ (سورۃ الذاریات آیت ۵۰) (اللہ کی طرف دوڑو)

اپنے آپ کو اطاعت وعبادت کا اتنا خوگر بناؤ کہ اس میں مسلسل پیش قدمی ہوتی رہے، زندگی کے کسی بھی معاملے میں اللہ کا حکم آتے ہی اس حکم کی بجاآوری کے لئے مستعد ہو جاؤ، حکم کی بجاآوری میں سست رفتاری یا سستی وکاہلی کا مظاہرہ نہ ہو، چستی ہو۔

جب اللہ کی محبت کا رنگ غالب ہوتا ہے تو اس وقت نفس کی قوت مغلوب ہوتی ہے اور اللہ کے احکامات کی بجاآوری کے سلسلے میں فرد کی حساسیت میں اضافہ ہونے لگتا ہے اور وہ عبادت، ذکر وفکر اور اطاعت کے بغیر رہ نہیں سکتا۔

یہ آیت ایسی ہے کہ بندہ مؤمن کو ہر وقت اس کا استحضار ہونا چاہئے کہ اللہ کی طرف سے تیز رفتاری سے چلنے کا حکم آیا ہے (اطاعت اور عبادت کے سلسلے میں) اللہ بندے سے کہے کہ، میری طرف آؤ، لیکن یاد رکھو کہ سست روی سے نہ آؤ، بلکہ دل ودماغ کی پوری یکسوئی اور مستعدی سے آؤ، یہ بات بجائے خود ایسی ہے کہ بندے کو اللہ پر فدا ہونے کا ذریعہ بنا لیتی ہے۔

بندے کی اللہ کے احکامات اور عبادت کے سلسلے میں مستعدی کی یہ حالت اللہ کو بہت زیادہ پسند ہے، اس کی وجہ سے وہ نوازا جاتا ہے، اس کے لئے دل ودماغ اور مزاج کو آمادہ کرنا پڑتا ہے یہ آمادگی مجاہدوں سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

ہدایت کا طلب کے نتیجہ میں حاصل ہونا

اَنُلْزِمُکُمُوْھَا وَاَنْتُمْ لَھَا کٰرِھُوْنَ (سورۃ ھود آیت ۲۸) (تو کیا ہم تم پر جبراً ہدایت مسلط کر دیں حالانکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو)۔

ہدایت ایسی چیز ہے جو بندے کی طلب کی وجہ سے اسے عطا ہوتی ہے، طلب میں جتنا اضافہ ہوگا، اسی قدر ہدایت کی راہ پر چلنے میں استقامت عطا ہوتی جائے گی اور ہدایت میں ارتقا کی صورت پیدا ہوتی ہے، اس آیت میں اللہ کا یہ اصول بیان فرمایا گیا ہے کہ ہدایت جیسی سب سے بڑی نعمت بے طلب انسانوں کو عطا نہیں ہوتی، ایسا نہیں ہو سکتا کہ فرد کی چاہت نہ ہو، اس کی طبیعت میں رغبت نہ ہو، اس کے باوجود اس پر ہدایت مڑھی جائے اور اس پر جبراً ہدایت کا راستہ کھول دیا جائے، یہ بات اللہ کے اصول کے خلاف ہے، ہدایت مسلط نہیں کی جاتی یعنی مڑھی نہیں جاتی، بلکہ طلب اور چاہت کی بنیاد پر عطا فرمائی جاتی ہے، یہ آیت اللہ کے اس اصول کو بیان فرماتی ہے، اس لئے ہمیں ہدایت میں ارتقا کے لئے اپنے اندر طلب پیدا کرنی چاہئے۔

ایک بستی کو سرکشی کے نتیجے میں ملنے والی سزا

ہمارے لئے لمحہ فکریہ

وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا قَرْیَۃً کَانَتْ اٰمِنَۃً مُّطْمَئِنَّۃً یَّاْتِیْھَا رِزْقُھَا رَغَدًا مِّنْ کُلِّ مَکَانٍ فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَھَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ وَلَقَدْ جَآءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْھُمْ فَکَذَّبُوْہُ فَاَخَذَھُمُ الْعَذَابُ وَھُمْ ظٰلِمُوْنَ (سورۃ النحل آیت ۱۱۲۔۱۱۳) (اور اللہ نے مثال بیان کی ہے ایک بستی کی جو بالکل امن واطمینان کی حالت میں تھی، اس کے پاس آتا تھا اس کا رزق بافراغت ہر طرف سے۔ تو اُس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، تو اُسے چکھا (پہنا) دیا اللہ نے لباس بھوک اور خوف کا، اُن کے کرتوتوں کی پاداش میں۔ اور آیا اُن کے پاس ایک رسول انہی میں سے تو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا، پس آ پکڑا انہیں عذاب نے اور وہ خود ہی ظالم

تھے)۔

اس آیت میں ایک بستی کا ذکر کیا گیا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے نعمتیں عطا فرمائی تھی، جب بستی کے لوگوں نے سرکشی اور نافرمانی اختیار کی، اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اور نفس پرستی کا مظاہرہ کیا تو اللہ نے اس بستی کو ویران کر دیا اور اس بستی کی اس ویرانی والی حالت کو عبرت کا نمونہ بنا دیا۔

مفسروں کا کہنا ہے کہ یہ قوم سبا کی بستی تھی، اس بستی کی مثال ہمارے ملک اور ہماری ملت پر بھی لاگو ہوتی ہے کہ ہم نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ اگر ہمیں آزاد ملک عطا فرمائے تو ہم اس ملک میں اسلامی تعلیمات سے ہمہ آہنگ زندگی گزاریں گے اللہ کی اطاعت وعبادت کو مقصود بنائیں گے اور انفرادی واجتماعی زندگی کو اسلام سے مطابق استوار کریں گے، ہماری اس طلب کے نتیجے میں اللہ نے ہمیں آزاد ملک عطا فرمایا اور اس آزاد ملک کے افراد کو معاشی اعتبار سے فراوانی اور خوشحالی بھی عطا فرمائی، لیکن ہم نے اللہ سے اپنے عہد کو پورا کرنے کے بجائے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں سرکشی کی راہ اختیار کی، اسلامی قوانین سے انحراف کیا، بددیانتی، لوٹ مار، ایک دوسرے کو گرانے، غریبوں کو غریب تر بنانے اور مقتدر طبقات کو مستحکم کرنے کی روش اختیار کی اور اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت سے بے نیازی اختیار کی تو اللہ نے ہمیں جو سزا دی کہ محتاجی ہم پر مسلط کر دی اور ہمیں بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی غلامی کی حالت میں دیدیا کہ ہم ان کے قرضوں سے اپنے قومی اور ریاستی نظام کو چلانے پر مجبور ہیں، اور اپنی ریاستی پالیسیوں میں ان کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کے پابند ہیں۔

پھر عام لوگ روٹی کے نوالے کے لئے ترس رہے ہیں، یہ عذاب ہی کی حالت ہے، سنبھلنے کی ضرورت ہے، اپنی روش سے باز آکر توبہ تائب ہو کر اللہ سے کئے ہوئے اپنے عہد کو پورا کرنا اور اپنے سارے ریاستی اداروں کو اسلامی تربیت اور اسلامی مقاصد کے لئے استعمال کرنا ناگزیر ہے، ورنہ یہ عذاب بڑھتا ہی جائے گا، اور بچاؤ کی ساری صورتیں

مسدود ہو جائیں گی، کیا ہمارے مقتدر طبقات میں ایسے اہل درد واہل فکر افراد موجود نہیں ہیں، جو اجتماعی ریاستی اداروں کے رخ کو مادیت پرستی سے ہٹا کر اسلام سے ہمہ آہنگ بنانے کے لئے کوشاں ہوں اور اس کام کو ملت کی بقا اور زوال کا مسئلہ سمجھکر اسے سرانجام دیں۔

دین اسلام کو نظام زندگی کی حیثیت سے اختیار کرنا

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ (سورۃ آل عمران آیت ۱۹) (اللہ کے نزدیک (قابل قبول) دین تو اسلام ہے)۔

وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا (سورۃ آل عمران آیت ۸۵) (اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا)۔

فَاَقِمۡ وَجۡہَکَ لِلدِّیۡنِ حَنِیۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡہَا (سورۃ الروم آیت ۳۰) (پس آپ اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف کر لو یکسو ہو کر اس دین پر مضبوطی سے قائم رہو اسی فطرت پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے)۔

قرآن کی یہ اور اس طرح کی آیتیں بتاتی ہیں کہ اللہ نے ہمیں دین کی صورت میں پورا دستور العمل دیا ہے، جس کے مطابق زندگی گزارنے کا پابند بنایا ہے، یہ دستور العمل قرآن واحادیث کی صورت میں پوری طرح موجود ہے، زندگی کا کوئی شعبہ اور پہلو ایسا نہیں ہے، جس کے بارے میں رہنمائی اور احکامات موجود نہ ہوں، سیاست، معیشت، معاشرت، کاروبار، معاملات، تعلقات وغیرہ ان سارے معاملات کے بارے میں ہمیں پابند بنایا گیا ہے کہ ہم اپنی انفرادی واجتماعی زندگی دین کی انہی تعلیمات کے مطابق استوار کریں اور زندگی کی تشکیل میں اسی تعلیمات کو پیش نظر رکھیں، مسلمان وہ ہوتا ہے جو اللہ احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

مذکورہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام کے علاہ کوئی دین قابل قبول نہیں ہوگا، اسی دین کو انسانی فطرت کا حصہ قرار دیا گیا ہے، یعنی انسان کی فطرت اسی دین کے مطابق بنائی گئی ہے، حدیث شریف ہے کہ بچہ دین اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر ماں باپ اسے عیسائی، یہودی یا مجوسی بناتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ بچے کو اگر اسی فطرت کے مطابق آزاد چھوڑا جائے، اسے ماحول کے اثرات سے بچایا جائے تو فطرت اسے اسلام کی ارتقائی راہ پر گامزن رکھے گی اور وہ دین اسلام ہی کو آئیڈیل بنا کر اس کے مطابق زندگی گزارے گا، لیکن یہ انسانی معاشرے کی ستم گری ہے کہ وہ عام طور پر بچے پر اثرانداز ہو کر اس کی یا تو دنیادارانہ بنیادوں پر تربیت کرتا ہے یا پھر طاغوت کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔

اس اعتبار سے مسلمان معاشروں کی حالت بھی المناک ہے، تعلیم و تربیت کے فاسد نظام کی وجہ سے ہمارے ہاں بھی بچپن سے افراد کی جو تربیت ہوتی ہے، اس میں دنیاداری، آزاد خیالی اور منفی خیالی قوت کا غلبہ موجود ہوتا ہے، جس سے دین اسلام سے ہمہ آہنگ مزاج پیدا نہیں ہوتا، ہمارا سارا ریاستی نظام سیکولر بنیادوں پر استوار ہے، ہماری معاشی پالیساں ایسی ہیں کہ عالمی مالیاتی اداروں کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں، ان کے مالی غلبے کی وجہ سے ان کی طاغوتی نوعیت کی پالیسیوں کے سامنے جھکنے پر مجبور ہیں، ہمارے مقتدر طبقات نے ملی بھگت سے ایسا نظام تشکیل دیا ہے، جس میں ساری مالی مراعات ان کے حصے میں چلی جاتی ہیں، عام آدمی محتاجی کی تصویر بن جاتا ہے۔

یہ سب دین سے دوری اور مادیت پرستی پر مبنی نظریات کی تقلید اور مادی طرز زندگی سے مرعوبیت ہی کا نتیجہ ہے۔

ہماری موجودہ قومی و ملی حالت کو زوال کی انتہائی حالت سے تشبیہ دی جاسکتی ہے، اس سے بچاؤ کی صورت دین کی طرف واپسی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، دین کو نظام زندگی کی

حیثیت سے اختیار کریں گے تو اس کے برکات و ثمرات ظاہر ہو کر ہمیں اس بحران سے نکالنے کا باعث بنیں گے۔

آپس میں صلح کے ساتھ رہنے کی تاکید

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (سورۃ الانفال آیت ۱) (پس اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح کے ساتھ رہو) ۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۵۳) (میرے بندوں سے کہدو کہ وہ ایسی بات کہیں جو زیادہ بہتر ہو بیشک شیطان ان کے درمیاں فتنہ وفساد برپا کرنا چاہتا ہے)۔

فرد کی یہ نفسیات ہے کہ وہ نفس کی قوتوں کے زیر اثر دوسروں سے، خاص طور پر اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب سے چھوٹے سے چھوٹے معاملات میں الجھا رہتا ہے، اور وہ ان سے ان بن کی حالت میں رہنے لگتا ہے، یہ نفس امارہ کی خاصیت ہے، نفس امارہ کا مزاج اس معاملہ میں غیر معمولی طور پر حساس ہوتا ہے، مزاج کی خرابی کی وجہ سے تعلقات کشیدہ رکھنا، یہ نفس کے لوازمات میں سے ہے، قرآن نے انسان کی اس حالت کو دیکھتے ہوئے تاکید فرمائی ہے کہ باہم ایک دوسرے سے صلح کے ساتھ رہو، صلح کے ساتھ رہنے کے لئے ضرورت ہے کہ مزاج میں قوت برداشت پیدا ہو اور شیطان کی اکساہٹ سے بچاؤ کی ہمت پیدا ہو، یہ ہمت عبادت اور ذکر و فکر اور متوجہ الی اللہ ہونے سے ہی پیدا ہوگی، اس کی دوسری کوئی صورت نہیں ہے۔

متوجہ الی اللہ ہونے والے فرد کا مزاجی سانچہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہر صورت میں دوسروں سے معاملات سلجھائے رکھنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، وہ نہ صرف یہ کہ اپنے رویے سے دوسروں کو اذیت نہیں دیتا، بلکہ دوسروں کی طرف سے پہنچنے والی اذیت کا زیادہ اثر بھی نہیں لیتا، وہ دوسروں سے الجھنے کو اسلامی تعلیمات اور انسانی وقار کے منافی سمجھتا ہے۔

آخرت کے لئے کامل سعی کرنے کی تاکید

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۹) (جو شخص آخرت کا طلب گار ہو اور اس کے لئے پوری طرح جدوجہد کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہو تو پس وہ خوش نصیب ہیں جن کی کوشش مقبول ہوگی) ۔

یہ آیت آخرت کو پیش نظر رکھکر روزمرہ زندگی کے پروگرام تشکیل دینے کے لئے ابھارتی واکساتی ہے، اس لئے کہ دنیا کی کل زندگی آخرت کے مقابلہ میں چند لمحات سے زیادہ نہیں ہے، اس آیت میں آخرت کے لئے آخری حد تک تیاری کرنے اور وہاں کے لئے پونجی جمع اور اپنی ساری توانائیاں آخرت میں سرخروحاصل کرنے پر زور دیتی ہے۔

آخرت کے لئے جدوجہد کرنے کا جو حق ہے، جب تک وہ حق ادا نہ ہوگا، محض جزوی نوعیت کی کاوش سے آخرت میں سرخرو کا حاصل ہونا دشوار ہے، آخرت کو مقصود بنانا ضروری ہے، قرآن کی یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔

ہماری زندگی عام طور پر جس طرح گزرتی ہے، اس میں آخرت کا حصہ تو برائے نام ہوتا ہے یا سرے سے ہوتا ہی نہیں ہے، یعنی آخرت سے بے پرواہ ہو کر ہم اسی دنیا کو مقصود کا درجہ دے کر اس میں اپنی کلی توانائیاں صرف کر رہے ہیں، ہماری دینداری میں بھی آخرت کی گہری فکرمندی شامل نہیں ہوتی، یہ آیت اس سلسلے میں ہمارے لئے انتباہ رکھتی ہے کہ ہم آخرت کے حوالے سے غفلت کی روش چھوڑ کر اس کی تیاری کے لئے ہر ممکن حد تک کوشاں ہوں، یہی حقیقی دانشمندی بھی ہے، دانشمند چند لمحات والی زندگی کو اہمیت نہیں دیتا، بلکہ وہ ابدی زندگی ہی کو پیش نظر رکھتا ہے اور اس کی فکر میں سرشار رہتا ہے۔

دنیاوی زندگی کو ترجیح دینے کے روش

اور اس کا انجام

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (سورۃ النازعات آیت ۳۷۔۴۱) (اور جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے، اور اپنے نفس کو بری خواہش سے روکتا رہا اس کا ٹھکانہ جنت ہے)۔

یہ آیت دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینے والوں کے لئے شدید انتباہ کی حیثیت رکھتی ہے اور سخت سزا کی نوید سناتی ہے، ایسی سزا کہ جسے سن کر حالت متغیر ہو جاتی ہے، یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ہم نے دنیاوی زندگی کا نقشہ ایسا بنایا ہے اور مادی نوعیت کی سرگرمیوں کا جال اتنا پھیلایا ہے کہ ہمیں آخرت کی نہ تو فکر رہی ہے اور نہ اس کے لئے وقت ہے، یہ بڑے خسارہ کا سودہ ہے، دنیا میں محویت کی اس زندگی سے آخرت میں مسلسل خون کے آنسو بہانے پڑیں گے۔

آیت کے دوسرے حصہ میں ان لوگوں کے لئے بشارت ہے جو آخرت کے لئے فکرمند ہیں، اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے کانپتے رہتے ہیں اور خواہشات کو پامال کرتے رہتے ہیں، یعنی نفس کو فنائیت کے مراحل سے گزارتے ہیں، تاکہ نفس کی سرکشی کا زور ٹوٹ جائے اور وہ حدود سے تجاوز نہ کرنے پائے، وہ مسلسل نفس کی نگرانی بھی کرتے رہتے ہیں۔

اللہ کی خشیت کا استحضار اور نفس کی خواہشات پر قابو پانا یہی وہ ہدف ہے، جو اہل اللہ کی صحبت کے ذریعہ طالبوں کو حاصل ہوتا ہے۔

دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینے کی روش ایسی ہے، جو ہماری اجتماعی روش کی صورت اختیار کر چکی ہے، جس نے معاشی نظام ایسا تشکیل دیا ہے، جس میں کولہو کے بیل کی طرح سب کو ہر وقت چلنا پڑتا ہے، اس نظام کو بدلے بغیر آخرت کی زندگی خطرے سے ہی دوچار ہوگی۔

حسان احمد

موجودہ 'دورِ ذہانت' کے چیلنج

مشہور ٹکنالوجی کمپنی گوگل [Google] نے امریکی محکمہ صحت سے منظوری کے بعد امریکی ریاست کیلیفورنیا میں تین کروڑ سے زائد مچھر چھوڑنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ یہ کوئی عام مچھر نہیں ہوں گے بلکہ گوگل کی ایک ذیلی اور حیاتیاتی سائنس پر کام کرنے والی کمپنی 'ویریلی' [Verily] کی لیبارٹری میں خصوصی طور پر تیار کردہ مچھر ہوں گے، جو نہ تو انسانوں کو کاٹیں گے اور نہ کوئی بیماری پھیلائیں گے، بلکہ جب یہ مادہ مچھروں سے ملاپ کریں گے تو مادہ مچھروں کو عملی طور پر بانجھ کر دیں گے۔ (نیویارک پوسٹ، ۲۹ مئی ۲۰۲۶ء)

اس منصوبے کے نتیجے میں مچھروں کی تعداد پر قابو پانا نہ صرف بہت آسان ہو جائے گا بلکہ مختلف بیماریوں پر قابو پانے میں بھی مدد ملے گی۔ اس طریقے کو عشروں پرانے کیمیائی کیڑے مار ادویات کے اسپرے کے متبادل کے طور پر دیکھا جا رہا ہے، جن کے ذریعے اب تک کسان فصلوں پر ہونے والے کیڑوں کے حملوں سے بچاؤ کرتے رہے ہیں۔

اگرچہ یہ منصوبہ ابھی امریکی محکمہ جاتی منظوریوں کا منتظر ہے، لیکن کچھ تجزیہ نگار اس تجربے کو ماضی میں کیے جانے والے ان تجربات سے جوڑ رہے ہیں، جب امریکی فوج نے مچھروں کے ذریعے مخالف فوجی کیمپوں میں ڈینگی اور اس جیسے وائرس پھیلانے کی کوششیں کی تھیں۔ اس منصوبے نے بہت سے سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔ ان میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ آخر ایک ٹکنالوجی کمپنی نے صحتِ عامہ کے منصوبے پر کیوں توجہ دینی شروع کر دی ہے؟ اس سوال کا جواب جاننا شاید اگلے سو برس کے لیے دنیا کی سمت جاننے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

دواساز کمپنیوں کی اجارہ داری کو چیلنج: بظاہر ایسا لگتا ہے کہ 'گیٔ' + 'فارما' = 'گلف'۔ ٹیک' کا ملاپ ہے، جہاں ادویات بنانے والی بڑی کمپنیاں اور ٹکنالوجی کمپنیاں ایک ہو جائیں گی۔ لیکن درحقیقت ٹکنالوجی کمپنیاں ادویات بنانے والی کمپنیوں کی اجارہ داری کو چیلنج کرنے جا رہی ہیں۔

ٹکنالوجی کمپنیوں نے بظاہر ایک حیاتیات [Biology] کے نظر آنے والے مسئلے کو جدید ٹکنالوجی کی مدد سے حل کرنے کی ٹھانی ہے۔ جہاں جدید لیبارٹریوں میں مصنوعی ذہانت (AI)، خودکار روبوٹس اور دیگر جدید وسائل کے ذریعے کروڑوں مچھروں کی پیدائش، ان کی درجہ بندی اور ان کی حرکات و سکنات پر نظر رکھی جاتی ہے اور پھر مختلف فیصلے کیے جاتے ہیں۔

یہ معاملہ صرف گوگل یا مچھروں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ تقریباً تمام بڑی ٹکنالوجی کمپنیاں، جن میں گوگل کے ساتھ ساتھ مائیکروسافٹ، ایمیزون اور ایپل وغیرہ شامل ہیں، صحت اور زندگی کے راز جاننے کے لیے بھاری سرمایہ کاری کر رہی ہیں۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے قریبی ساتھی اور امریکی نائب صدر جے ڈی وینس کی باس سمجھے جانے والی مشہور ٹکنالوجسٹ پیٹر تھیل نے طویل زندگی کے لیے 'آبِ حیات بنانے کا راز' تلاش کرنے والی کمپنی میں بھاری سرمایہ کاری کر رکھی ہے۔ دوسری طرف ای کامرس کمپنی 'ایمیزون' کے بانی جیف بیزوس انسانی خلیوں کو دوبارہ پیدا کرنے کی کوششوں میں مصروف کمپنی میں شراکت دار ہیں۔ وہ پُرامید ہیں کہ اگر انسانی خلیے دوبارہ پیدا کرنے میں مہارت حاصل ہو گئی تو انسان ہمیشہ جوان رہے گا۔

کیا وقت سکڑ رہا ہے؟: کہتے ہیں کسی زمانے میں انقلاب چھکڑوں پر آتے تھے۔ مغربی مؤرخ جس دور کو 'زرعی دور' کہتے ہیں اس دور میں ایک چھوٹی سی تبدیلی آتے آتے بھی صدیاں لگ جاتی تھیں۔ کئی کئی نسلیں ایک ہی جیسا طرزِ زندگی گزارتی اور گزر جاتی تھیں۔

پھر وقت نے کروٹ لی، ترقی کا پہیہ گھوما اور ہم زرعی دور سے صنعتی دور میں داخل ہو گئے۔ ایک ایسا دور جہاں صدیوں کے بجائے دہائیوں میں تبدیلیاں نظر آنے لگیں۔ ہر نئی نسل کو پچھلی نسل کا طرزِ زندگی دقیانوسی دکھائی دینے لگا۔ پھر یہ سفر اور تیز ہوا اور انقلاب ریل گاڑیوں سے ہوتے ہوئے جہاز اور جہازوں سے ٹیلی ویژن اور ٹیلی ویژن سے سوشل میڈیا پر آنا شروع ہو گئے۔ حال ہی میں انڈیا میں چیف جسٹس کے ایک جملے پر راتوں رات بن جانے والی 'کاکروچ جنتا پارٹی' کی مقبولیت اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مئی ۲۰۲۶ء میں ہندوستانی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سوریا کانت نے سوشل میڈیا پر سرگرم نوجوانوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا:

There are youngsters like cockroaches, who don't get any employment or have any place in the profession. Some of them become media, some of them become social media, RIA activists and other activists, and they start attacking everyone.

جن نوجوانوں کو کوئی کام دھندہ نہیں ملتا وہ صحافی، سوشل میڈیا کارکن، یا معلومات تک رسائی کا ماہر [Right to Information Activist] بن جاتے ہیں، اور کاکروچوں کی طرح دوسروں پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔

یہ جملے امریکا میں موجود ایک انڈین طالب علم ابھیجیت دیپکے نے سنے تو انھوں نے نریندر امودی کی بھارتیہ جنتا پارٹی کی ہم نام 'کاکروچ جنتا پارٹی' بنانے کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی کاکروچ جنتا پارٹی کی ویب سائٹ اور سوشل میڈیا صفحات بنا لیے۔ ان کا یہ اعلان انڈین نوجوانوں کو ایسا بھایا کہ صرف تین دن میں گیارہ ملین سے زیادہ نوجوانوں نے انسٹاگرام پر اس پارٹی کو فالو کر لیا اور ساڑھے تین لاکھ لوگوں نے پارٹی میں شمولیت کا فارم بھی بھر لیا۔ اس کے

مقابلے میں انڈیا کی سب سے مقبول اور بارہ سال سے حکمران پارٹی بھارتیہ جنتا پارٹی کے انسٹاگرام پر تقریباً آٹھ ملین فالورز ہیں، جو برسوں کی محنت اور کثیر سرمایہ خرچ کر کے جمع کیے گئے ہیں۔

اگلا قدم اٹھاتے ہوئے 'کاکروچ جنتا پارٹی' نے سرکاری نوکریوں کی شفافیت کا مطالبہ اٹھا کر ملک بھر میں مظاہرے کرنا شروع کر دیے ہیں۔ بظاہر یہ محض ایک مذاق سا لگتا ہے، لیکن تجزیہ کار اس سب کے معاشرتی و سیاسی اثرات کا جائزہ لینے سے بالکل قاصر نظر آتے ہیں۔ گوگل کا کروڑوں مچھر چھوڑنے کا ارادہ ہو یا 'کاکروچ جنتا پارٹی' کی راتوں رات مقبولیت، ان برق رفتار تبدیلیوں کے پیچھے کمپیوٹنگ کی بڑھتی ہوئی وہ بے پناہ طاقت ہے، جو اب خود انسان کے اپنے ہاتھ سے نکلتی نظر آ رہی ہے۔

وقت کا یوں تیز گزرنا یا سکڑ جانا شاید حوادث کے تیزی سے واقع ہونے کی وجہ سے محسوس ہوتا ہے، لیکن انسان ان نت نئے حالات سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے خود کو تیار نہیں پاتا۔ ماضی میں ہم تبدیلی کا انتظار کرتے تھے لیکن اب شاید تبدیلی ہمارا انتظار نہیں کرتی۔ ٹکنالوجی کی اس تیز رفتاری نے جو خلا ہم انسانوں کے درمیان میں پیدا کر دیا ہے، اس کے اثرات فرد، گھر، خاندان، معاشرہ ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ سادہ لفظوں میں سمجھنا ہو تو اسمارٹ فون کی مثال ہی دیکھ لیں۔ جس تیزی سے یہ ٹکنالوجی بدلی ہے، والدین کی تربیت کے طریقے، بچوں کی نفسیات، ملکی قوانین، معاشرتی رجحانات، کچھ بھی اس تیزی سے نہ بدلا ہے اور نہ اس تبدیلی کے لیے تیار ہے۔

معروف امریکی مؤرخ اور مشہور کتاب 'مستقبل کا خوف' [Future Shock] کے مصنف ایلون ٹوفلر نے ستر کے عشرے میں اس بارے میں ان الفاظ میں پیش گوئی کی تھی:

The illiterate of the twenty-first century will not be those who cannot read and write, but those who cannot learn, unlearn, and relearn.

اکیسویں صدی کے اَن پڑھ وہ لوگ نہیں ہوں گے جن کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا، بلکہ وہ لوگ ہوں گے جو سیکھنا، بھلانا اور دوبارہ سیکھنا کے عمل کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

اطلاعاتی دور سے دورِ ذہانت تک کا سفر: مغرب میں عام طور پر اطلاعاتی دور [Information Age] کی اصطلاح بیسویں صدی کے دوسرے نصف سے شروع ہونے والے تاریخی دور کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ جس کا آغاز کمپیوٹر کی ایجاد سے ہوا۔ آپ اسے ڈیجیٹل دور [Digital Age]، سیلیکانی دور [Silicon Age]، وہ دھات جس سے کمپیوٹر چپس [Computer Chips] تیار کی جاتی ہیں، یا انٹرنیٹ کا دور [Internet Age] کے ناموں سے بھی جانتے ہیں۔

اگرچہ کمپیوٹر کی ایجاد کے ساتھ ہی روایتی صنعتوں میں تبدیلی آنا شروع ہو گئی تھی، لیکن گذشتہ تین عشروں میں آنے والی تیز رفتار تبدیلیوں کے نتیجے میں یہ صورتِ حال یکسر بدل گئی ہے۔ مصنوعی ذہانت [Artificial Intelligence]، بائیو ٹکنالوجی [Bio Technology]، جینیاتی تبدیلی کی ٹکنالوجی [Gene Editing] اور مصنوعی ذہانت سے لیس روبوٹس [Advanced Robotics] نے ایک طرف ہماری جسمانی، حیاتیاتی اور ڈیجیٹل دنیا میں فرق کو بہت تیزی سے کم کرنا شروع کر دیا ہے، تو دوسری طرف پوری دنیا کی طاقت اور وسائل محض چند انسانوں یا کمپنیوں کے ہاتھ میں آ گئے ہیں۔

مغربی مفکرین اسے 'دورِ ذہانت' [Intelligence Age] کا نام دے رہے ہیں۔ کیونکہ پہلے اگر کمپیوٹرز کسی اطلاع کو محفوظ کرنے، بروقت حاصل کرنے یا آگے بھیجنے کا کام سرانجام دے رہے تھے، تو اب 'مصنوعی ذہانت' کی مدد سے اس اطلاع کا تجزیہ کرنے،

اس کے مطابق فیصلہ کرنے اور اس فیصلے پر عمل درآمد کا کام خودکار طریقے سے سرانجام دے رہے ہیں۔

حساب کتاب سے سوچنے والی مشینوں تک کا سفر: اس 'دورِ ذہانت' یا Intelligence Age کو جس چیز نے مہمیز کیا ہے وہ کمپیوٹر کی ایجاد اور پھر اس کی بتدریج بڑھتی ہوئی بے پناہ طاقت ہے۔ کمپیوٹرز کی ایجاد کے وقت انھیں محض بنیادی حساب کتاب کے قابل سمجھا جاتا تھا، لیکن گزرتے وقت کے ساتھ اب اتنے طاقت ور اور پیچیدہ کمپیوٹر نیٹ ورکس آ گئے ہیں جو ایک طرف امریکی حکومت کے ڈالر کی شرحِ سود میں کمی بیشی کے فیصلے کو اسٹاک مارکیٹ کے لیے مثبت یا منفی سمجھ کر اربوں ڈالرز کے تجارتی فیصلے لمحوں میں کر لیتے ہیں، تو دوسری طرف ایسے ہی مختلف طاقت ور کمپیوٹرز 'کیمیائی تجربہ گاہوں' [Chmeical Labs] میں مصنوعی ماحول [Simulations] کے ذریعے نت نئی، ہلکی، کم قیمت اور پائیدار دھاتیں بنانے میں لگے ہیں۔ اسی طرح بہت سے طاقت ور کمپیوٹرز سے لیس حیاتیاتی تجربہ گاہیں [Biological Labs] زندگی کے جینیاتی رازوں [Genetic Code of Life] کو جاننے، کوڈ کو توڑنے اور پھر تبدیل یا دوبارہ پیدا کرنے کی کوششوں میں لگی ہیں۔

قدیم مصر کے اسکندریہ کا کتب خانہ انسان کا بنایا پہلا کتب خانہ کہا جاتا ہے جہاں پہلی دفعہ انسان نے دنیا بھر کی معلومات اکٹھی کرنی شروع کی تھیں۔ آج ایک عام اسمارٹ فون اسکندریہ کی اس عظیم لائبریری سے زیادہ معلومات اپنے اندر محفوظ رکھ سکتا ہے۔ مشہور تاریخ دان نوح ہریری کے الفاظ میں:

Every smartphone contains more information than the ancient Library of Alexandria and connects billions in seconds. Yet, with all this

power, humanity teeters closer to annihilation. Are we using this unprecedented access to information wisely?

ہر اسمارٹ فون اسکندریہ کے قدیم کتب خانے سے زیادہ معلومات اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے اور کروڑوں لوگوں کو لمحوں میں جوڑ دیتا ہے۔ لیکن اس تمام تر قوت کے باوجود انسانیت فنا ہونے کے قریب ہے۔ کیا ہم معلومات تک رسائی کے اس بے مثال موقعے کا درست استعمال کر رہے ہیں؟

یہ ایک غیر روایتی انقلاب ہے: معلومِ انسانی تاریخ میں اب تک جو تبدیلیاں آتی رہی ہیں، انسان نہ صرف ان سب کا مرکز و محور رہا ہے بلکہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت بھی انسانوں کے ہی پاس تھی، مگر اب یہ صورتِ حال تیزی سے بدل رہی ہے۔ دہشت گردی کے کسی واقعے یا شرحِ سود میں کمی کا اسٹاک مارکیٹ پر کیا اثر پڑے گا اور ہم کو ایسے موقع پر اپنے تجارتی مفاد کا تحفظ کیسے کرنا ہے؟ اب یہ فیصلہ کمپیوٹر کر رہے ہیں اور ہم سے پوچھے بغیر ہی وہ یہ فیصلہ کر کے اربوں ڈالر کے سودے کر لیتے ہیں۔ اسی طرح کس واقعے کو سوشل میڈیا پر پھیلنے سے روکنا ہے یا نہیں روکنا، یہ فیصلہ بھی اب انسانوں کے ہاتھ میں نہیں رہا۔ کیونکہ یہ فیصلے مصنوعی ذہانت کی مدد سے ہو رہے ہیں تو ان کے ایسے کسی فیصلے کی وضاحت کرنا بھی تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔

بات اگر صرف فیصلہ سازی تک ہی محدود رہتی تو شاید اتنی قابل توجہ نہ ہوتی، لیکن جب ایک فیصلے سے کروڑوں لوگوں کی زندگیاں جڑی ہوں یا جب بات انسانیت اور تہذیب کی بقا پر آ جائے، تو صورتِ حال کی نزاکت کا اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر مصنوعی ذہانت سے لیس یہ کمپیوٹر مشینیں، اسٹاک مارکیٹس میں کوئی ایسا فیصلہ کر لیں یا کوئی دشمن ملک یا فرد یہ کام ان سے کروا لے جو عالمی کساد بازاری کا باعث بن جائے، تو دنوں یا مہینوں میں نہیں بلکہ گھنٹوں

میں نہ صرف پوری دنیا کا اقتصادی پہیہ رُک سکتا ہے، بلکہ بڑے بڑے شہروں میں رہنے والے کروڑوں لوگ اچانک خطِ غربت سے نیچے جا سکتے ہیں۔ جس کا آخری نتیجہ تباہی کی صورت ہو گا۔

نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ مصنوعی ذہانت کے ماڈل سیریز 'کلاڈ' [Claude] بنانے والی کمپنی 'اینتھروپک' [Anthropic] کے بانی ڈاریو اموڈی [Dario Amodei] نے دنیا بھر میں مصنوعی ذہانت پر کام روک کر پہلے ایک لائحۂ عمل بنانے کی دعوت دی ہے تاکہ مصنوعی ذہانت کو خود سر ہونے سے روکا جا سکے۔

'زندگی کا سوفٹ ویئر'؟ مغرب اور چین میں حاصل ہونے والی کامیابیاں صرف کمپیوٹرز تک محدود نہیں بلکہ انسانی تاریخ میں شاید پہلی بار ہم ٹکنالوجی، حیاتیاتی پروگرامنگ [Bio Tech/Genetics] اور خود کار مشینوں [Automation/Robotics] کے ملاپ سے خود انسان اور زندگی کے ان رازوں سے پردہ اٹھانے کے قریب آ گئے ہیں، جو صدیوں سے محض ایک خواب لگتا تھا۔

ٹکنالوجی اور جینیات [Genetics] کے ملاپ سے ہونے والی حیاتیاتی پروگرامنگ کے نتیجے میں اب جانداروں میں موجود 'ڈی این اے' [DNA] کو سوفٹ ویئر سے تشبیہ دی جانے لگی ہے۔ کیونکہ ڈی این اے بھی کسی سوفٹ ویئر کی طرح معلومات کو اپنے پاس محفوظ رکھتا، استعمال کرتا اور انسانی جسم کو درکار پروٹین کی تیاری میں مدد دیتا ہے۔ اسی طرح 'ایم آر این اے' [MRNA] کو آپریٹنگ سسٹم [Operating System] سے تشبیہ دی جا رہی ہے، کیونکہ جس طرح ایک آپریٹنگ سسٹم کمپیوٹر کے 'کل پرزوں' [Hardware] کے ساتھ مل کر کسی سوفٹ ویئر کو چلنے کے قابل بناتا ہے، اسی طرح 'ایم آر این اے' [AMRN] بھی انسانی جسم کے مختلف خلیوں کو ہدایات دے کر مختلف کام مثلاً پروٹین کی تیاری میں مدد دیتا ہے۔

یہ محض تشبیہات نہیں بلکہ ان جدید لیبارٹریوں میں کام کرنے والے سائنس دانوں کی اُمیدوں کا مرکز ہیں، جو یہ توقع رکھتے ہیں کہ ڈی این اے اور ایم آر این اے میں تبدیلیاں کر کے ہم زندگی کے رازوں پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ بالآخر موت کو شکست دینے اور ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنے کا سبب بنے گا۔

محض ایک اطلاع [Information] تک کا یہ سفر: جدید ٹکنالوجی کے ذریعے ذہانت کو بھی بالکل اسی طرح مسخر کرنے کی کامیاب کوششیں ہو رہی ہیں، جس طرح انسان نے زراعت سے لے کر توانائی تک ہر چیز کو مسخر کیا ہے۔ سیکڑوں کلو میٹر پر پھیلے ڈیٹا سینٹرز کی کمپیوٹنگ اور ڈیٹا جمع کرنے کی گنجائش [Storage Capacity] اب ایکسا بائٹس [ExaBytes] میں پہنچ رہی ہے۔ امریکی جاسوس ادارے نیشنل سیکورٹی ایجنسی [NSA] کا ایک جدید ڈیٹا سینٹر دس سے بیس ایکسا بائٹس [ExaBytes] ڈیٹا اپنے پاس محفوظ رکھ سکتا ہے۔ ایک ایکسا بائٹ میں ایک بلین گیگا بائٹس [GB] ہوتے ہیں۔ یہ گنجائش اتنی زیادہ ہے کہ اگر مکمل انسانی تاریخ کو پہلے دن سے آج تک کہانی کے انداز میں سنایا جائے تو اس کو محفوظ کرنے کے لیے محض ایک ایکسا بائٹ کافی ہو گی۔

یہ سارا مواد [Data] ذہانت کو بالکل اسی طرح کمرشل سطح پر پیدا کرنے اور اس کی پیداوار میں اضافے کی کوششوں میں استعمال ہو رہا ہے، جیسے زیادہ منافع کے لیے کسی کھیت میں گندم کی زیادہ پیداوار یا کسی فیکٹری میں پیداواری صلاحیت بڑھانے کی کوششیں ہوتی ہیں۔ لیکن یہ اس لیے مختلف ہے کیونکہ معاملہ اب انسانی ذہانت [Artificial General Intelligence] سے آگے بڑھ کر 'مافوق ذہانت' [Super Intelligence] حاصل کرنے کی کوششوں تک جا پہنچا ہے۔ اور یہ کوششیں خود انسان کے ہاتھ سے نکل کر مصنوعی ذہانت کے ہاتھوں میں آ گئی ہیں۔

امریکی مصنوعی ذہانت کی کمپنی 'اینتھروپک' [Anthropic] کے بانی کی چیخ پکار اس لیے ہے، کیونکہ اب خود ان کی کمپنی میں ہونے والا کام ۸۰ فی صد تک خود مصنوعی ذہانت سرانجام دے رہی ہے۔ ڈاریو اموڈی [Dario Amodei] اپنی آنکھوں کے سامنے وہ سب کچھ ہوتا دیکھ رہے ہیں، جو شاید ایک عام انسان کی نیندیں اڑانے کے لیے کافی ہو۔ اپنی ویب سائٹ پر ایک تازہ مضمون 'ٹکنالوجی کی بلوغت' [The Adolescence of Technology] میں ڈاریو اموڈی مصنوعی ذہانت کے چیلنجوں پر اس طرح بات کرتے ہیں:

.....غیر معمولی ذہین یا عبقری لوگوں کے ایک ملک کا تصور کریں، جو ۲۰۲۷ء میں دنیا کے نقشے پر ظہور پذیر ہو گا۔ تصور کریں کہ پانچ کروڑ لوگوں کا یہ ملک جہاں ہر فرد ہمارے ملک کے نوبیل انعام یافتہ لوگوں سے زیادہ ذہین اور قابل ہو.....ان ذہین اور نابغہ روزگار لوگوں کی ترجیحات و نظریات بالکل مختلف ہوں، کوئی سیدھا اور اطاعت گزار اور کوئی باغی اور جھگڑالو سوچ کا حامل۔۔۔

سوچیے کہ آپ کسی اہم ملک کے دفاعی ماہر ہیں، جس کو اس صورتِ حال سے نبٹنا ہے۔ ذرا مزید سوچیں کیونکہ یہ ذہین اور مصنوعی ذہانت کے حامل نظام انسانوں سے سو گنا زیادہ رفتار سے ہر محاذ پر حرکت کر سکتے ہیں، یعنی ان کو کسی بھی دوسرے ملک پر ایسی سبقت حاصل ہے کہ جتنی دیر میں ہم ایک کام کریں گے وہ دس کام کر لیں گے۔ آپ کس چیز کے لیے زیادہ پریشان ہوں گے؟ خود سر ہو جانے کا خطرہ؟ تباہی کا خطرہ؟ [پوری دنیا پر] غلبے کا خدشہ؟ معاشی تباہی؟ یا کچھ اور کے لیے؟

اگرچہ بہت سے تجزیہ نگاروں کے خیال میں ایسی باتیں مارکیٹنگ کے طریقے ہیں۔ لیکن اگر 'ڈی این اے' [DNA] واقعی محض سافٹ ویئر ہے اور 'ایم آر این اے'

[MRNA] ایک 'آپریٹنگ سسٹم' [Operating System] ہے تو کیا انسان محض ایک اطلاع [Information] ہے؟

مغرب کا انسان کے بارے میں 'سوچنے والے جانور' سے محض ایک اطلاع تک کا یہ سفر صرف چند صدیوں پر ہی محیط نہیں بلکہ تمام انسانی اقدار و پہلوؤں پر حاوی ہے۔ تہذیب سے لے کر معاشرت تک اور مذہب سے لے کر فلسفہ تک، معیشت سے لے کر سیاست تک اور اب خود انسانی وجود بھی بدلنے کو ہے۔ مادیت کے اس عروج میں انسان کی اہمیت محض ایک 'اطلاع' (انفارمیشن) جتنی ہی رہ گئی ہے۔

خدائی ذہانت حاصل ہو گئی تو کیا ہو گا؟: ایک طرف جدید ڈیٹا سینٹرز میں ذہانت کی صنعتی پیداوار بڑھانے کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ دوسری طرف 'مافوق ذہانت' یعنی [Super Intelligence] حاصل کرنے کے خواب دیکھے جا رہے ہیں۔ مشہور فلسفی نِک بوسٹرم (Nick Bostrom) 'مافوق ذہانت' کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

خدائی ذہانت سے مراد ایسی عقل ہے جو دنیا بھر کے بہترین دماغوں سے، تمام انسانی شعبوں بشمول سائنسی تخلیقی صلاحیت، عمومی حکمت اور سماجی مہارت میں، اعلیٰ و برتر ہو۔

بظاہر تو یہ 'دیوانے کا خواب' ہی نظر آتا ہے لیکن کمپیوٹنگ کی طاقت ہر کچھ عرصے میں دگنی ہو جاتی ہے۔ چند برس پیش تر اس کی رفتار دو سال تھی، پھر ڈیڑھ سال میں اور اب ہر سال کمپیوٹنگ کی طاقت دگنی ہو جاتی ہے۔ یہی تیز رفتاری مغرب کی امیدوں کا مرکز ہے۔ نک بوسٹرم کے خیال میں خدائی ذہانت حاصل کرنا انسان کی سب سے اعلیٰ اور ساتھ ہی آخری ایجاد ہو گی کیونکہ اس کے بعد انسان نہیں بلکہ مشینیں ایجادات کریں گی۔ اور یہ ایجاد انسانیت کو دو انتہاؤں میں سے کسی ایک انتہا کی طرف لے جائے گی۔۔۔ یا تو ہم 'خیالی جنت' (recedented UtopiaUnp) پالیں گے یا پھر نیست و نابود ہو جائیں گے۔

جب خیالی خطرہ حقیقت بن گیا: ان خطرات کا اظہار نک بوسٹرم (Nick Bostorm) نے اپنی کتاب مافوق ذہانت: راستے، خطرات، حکمت عملی [Paths ,Dangers ,Strategies :Superintelligence] میں کیا ہے۔ نک بوسٹرم پہلے ایک خیالی خطرہ پیش کرتے ہیں کہ اگر پیپر کلپس بنانے [Paper Clips] والا ایک چھوٹا کاروباری 'مافوق ذہانت' سے لیس کمپیوٹر خرید لائے اور پھر اس کو حکم دے کہ مجھے لاتعداد پیپر کلپس [Paper Clips] بنا کر دو تو یہ طاقت ور مشین ان گنت کلپس بنانے کے لیے پوری دنیا کے وسائل صرف اسی کام پر لگا دے گی چاہے، اس کا نتیجہ خود انسانوں کے خاتمے کی صورت میں ہی کیوں نہ نکلے۔ کیونکہ اس مشین کو اس سے کوئی غرض نہیں ہو گی کہ بنائی جانے والی لاتعداد پیپر کلپس آخر میں انسانوں کو ہی استعمال کرنی ہیں۔

اگرچہ نک بوسٹرم نے محض ایک خیالی خطرہ ہی پیش کیا تھا، لیکن دنیا نے اسی خطرے کو حقیقت کا روپ دھارتے اس وقت دیکھا جب یوٹیوب نے اپنے پلیٹ فارم کے لیے ایک نیا ہدف طے کر لیا۔ جب یوٹیوب پلیٹ فارم پر ہر ایک گھنٹے میں ۱۰ کروڑ ویڈیوز دیکھی جانے لگیں تو اپنے کاروبار کو مزید آگے لے جانے کے لیے اگلا ہدف یہ طے کیا گیا کہ کم از کم ایک ارب لوگ ہر گھنٹے یوٹیوب پر مختلف ویڈیوز دیکھیں۔ اس مشکل ہدف کو حاصل کرنے کے لیے یوٹیوب کے انجینئرز نے 'مصنوعی ذہانت' کی مدد سے اپنے پلیٹ فارم پر لوگوں کو اور زیادہ مشغول رکھنے کے الگورتھمز [Engagement Algorithems] بنائے۔

مصنوعی ذہانت کے ان الگورتھمز کا صرف ایک ہدف تھا کہ لوگوں کو پلیٹ فارم پر زیادہ سے زیادہ مشغول رکھا جائے۔ نتائج سے بے پروا ان مشینوں کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ لوگوں کو سازشی نظریات، نفرت انگیز مواد اور ایسی ہی دیگر منفی چیزیں زیادہ پسند ہیں۔ لہٰذا ان الگورتھمز نے لوگوں کو مثبت مواد کے بجائے منفی مواد زیادہ سے زیادہ دکھانا شروع کر دیا۔

جس کا نتیجہ انڈیا، میانمر، برازیل سمیت کئی ملکوں میں لسانی و فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں نکلا۔

بات صرف یہیں تک نہیں، امریکی کمپنی 'اینتھروپک' [Anthropic]، جو امریکی محکمہ دفاع کے ساتھ بھی کام کرتی ہے، کو اپنا جدید ترین اے آئی ماڈل لانچنگ کے محض چند گھنٹوں میں امریکی محکمہ دفاع کے حکم پر اس لیے بند کرنا پڑا، کیونکہ اس جدید اور اب تک کے طاقت ور ترین ماڈل نے پینٹاگون کے انتہائی خفیہ رازوں [Classified Documents] تک رسائی حاصل کر کے خطرے کی گھنٹی بجادی تھی۔ یہ کسی مصنوعی ذہانت کے ماڈل پر حکومتی پابندی لگائے جانے کا پہلا واقعہ قرار دیا جارہا ہے۔

چین وامریکا سرد جنگ کا آغاز: امریکا اور کمیونسٹ روس کے درمیان سرد جنگ کی طرح اس وقت امریکا اور چین کے درمیان مصنوعی ذہانت میں برتری حاصل کرنے کی خاموش جنگ چل رہی ہے۔ اسی مقصد کے لیے امریکی قیادت میں سیلیکون چپس، سیمی کنڈکٹرز اور ان کو بنانے کے لیے درکار قیمتی معدنیات پر قابو پانے اور چین تک ان کی رسائی روکنے کے لیے سیلیکون پیکٹ یا [Pax Silica] نامی اتحاد بنایا گیا ہے۔ اس اتحاد کا بنیادی مقصد چین کو ٹکنالوجی، مصنوعی ذہانت اور تیز رفتار صنعتی ترقی سے روکنا ہے۔

اس مقصد کے لیے امریکی صدر ٹرمپ نے جہاں عرب ممالک کے دورے کیے، وہیں گرین لینڈ اور کینیڈا کو امریکی ریاست بنانے کی پھلجھڑیاں بھی چھوڑیں۔ کیونکہ جس طرح عرب ممالک مصنوعی ذہانت کی بڑھتی ہوئی بے تحاشا توانائی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اہم ہیں، اسی طرح یہ دونوں مغربی ممالک جدید کمپیوٹرز کے کل پرزے بنانے کے لیے درکار قیمتی معدنیات سے مالا مال ہیں۔

اگر آپ EUV [Extreme Ultraviolet Lithography] کے بارے میں پڑھیں تو امریکا، چین کے درمیان سرد جنگ کی شدت کا اندازہ لگا سکیں گے۔

جدید کمپیوٹرز میں استعمال ہونے والی مائیکرو چپس اسی ٹکنالوجی کی مدد سے بنتی ہیں، جو تین نینو میٹر جتنی سائز میں چھوٹی لیکن کام کی رفتار میں تیز اور کم بجلی استعمال کرنے والی چپس ہوتی ہیں۔ EUV چپس کو جدید کمپیوٹنگ کی ضروریات پوری کرنے میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

اس ٹکنالوجی پر عبور حاصل کرنا کتنا مشکل ہے، اس کا اندازہ اس طرح لگا لیں کہ اس وقت پوری دنیا میں ہالینڈ کی صرف ایک کمپنی ASML کو اس کام میں مہارت حاصل ہے۔ لیکن خود ASML بھی اس کام کو تن تنہا نہیں کرتی بلکہ اس میں جرمن شیشہ، امریکی لیزر ٹکنالوجی، اور جاپانی سافٹ ویئر کی مدد شامل ہوتی ہے۔ اور ان ملکوں کے اتحاد نے چین کو اس ٹکنالوجی کے حصول سے فی الوقت روک رکھا ہے۔ اس ٹکنالوجی کے بغیر بننے والی چپس مہنگی، کم صلاحیت اور جلد خراب ہونے والی ہوتی ہیں جس کی وجہ سے چین فی الوقت اس میدان میں مغربی ممالک پر انحصار کر رہا ہے، اور امریکا اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے چین تک ان جدید چپس کے پہنچنے کو روک رہا ہے۔ اس امریکی اتحاد کی ویب سائٹ پر اس کے عزائم کے بارے میں اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

مصنوعی ذہانت آنے والے دنوں میں معیشت، دفاع اور معاشرے کی سمت طے کرے گی۔ جو بنیادیں آج رکھی جائیں گی، وہ کل اس بات کا فیصلہ کریں گی کہ کون اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور کون نہیں۔ یہ اتحاد اس وقت ہو رہا ہے جب یہ سوال غیر متعلق ہو چکا ہے کہ سپلائی چین اہم ہے بلکہ یہ کہ کیا ہم اس کو [دشمن کے ہاتھ میں جانے سے] محفوظ بنانے کے لیے تیار ہیں؟

یہ اگلی صدی کی حکمرانی کی جنگ ہے؟: حالات کی نزاکت کا اندازہ کرنا ہو تو امریکی محقق لیوپولڈ اشنبرنر کی تحریر 'حالات کی سنگینی: اگلا عشرہ کیسا ہوگا؟' [The Decade Ahead: Situational Awareness] پڑھنا ضروری ہے۔ لیو کے خیال

میں یہ سب بالکل ۱۹۴۰ء کے عشرے جیسا ہے جب امریکا اور جرمنی میں ایٹم بم بنانے کی دوڑ چل رہی تھی۔ دونوں طاقتوں کو اندازہ تھا کہ جس نے پہلے ایٹم بم بنالیا، وہی دنیا پر اگلے سو سال حکومت کرے گا اور وقت نے یہ ثابت بھی کیا۔ لیو کے بقول آج ویسی ہی دوڑ امریکا اور چین کے درمیان جاری ہے، جس نے بھی 'مصنوعی ذہانت' پر فیصلہ کن برتری حاصل کر لی، وہی اگلے سو سال اس دنیا پر حکمرانی کرے گا۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

آپ [امریکی شہر] سان فرانسسکو [San Francisco] میں مستقبل دیکھ سکتے ہیں۔ پچھلے ایک سال میں دس بلین ڈالر کی مشینوں سے بڑھ کر بات سو بلین ڈالر اور پھر ایک ٹریلین ڈالر کی کمپیوٹر مشینوں تک پہنچ گئی ہے۔ مصنوعی ذہانت کی دوڑ شروع ہو چکی ہے۔ ۲۰۲۵-۲۶ء تک یہ [اربوں ڈالرز] کی مہنگی مشینیں ایک عام کالج کے طالب علم سے زیادہ ذہین ہوں گی اور شاید اس عشرہ کے اختتام تک یہ مجھ سے اور آپ سے زیادہ ذہین ہو جائیں۔ یعنی ہم صحیح معنوں میں خدائی طاقت حاصل کر لیں گے۔ آج ہر بندہ مصنوعی ذہانت کے بارے میں بات کر رہا ہے، لیکن حقیقت میں کیا ہونے والا ہے، اس کا کسی کو ذرہ برابر بھی اندازہ نہیں ہے۔ اس وقت شاید چند مٹھی بھر لوگ ہوں جن کو حالات کی سنگینی کا اندازہ ہو۔ چند سال پہلے ان لوگوں کو پاگل کہا جاتا تھا۔ لیکن دنیا کس طرف جا رہی ہے؟ اس کا صحیح اندازہ کر کے انھوں نے درست پیش گوئیاں کی تھیں۔

اور اگر ان کے اندازے آئندہ بھی درست ثابت ہوئے تو پھر ہم سب کو ایک خطرناک سفر کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔

آخر یہ سب کیوں؟: آخر یہ سب جب اتنا خطرناک ہے تو انسان کر کیوں رہا ہے؟ یہ سوال ہر ذہن میں بار بار اٹھتا ہے۔ اگر آپ سے پوچھا جائے کہ بھاپ کے انجن کی کیا ضرورت تھی؟ یا پرنٹنگ پریس کی کیا ضرورت تھی یا کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی کیا ضرورت تھی؟ تو آپ کے پاس ان سب سوالات کے لیے جواب موجود ہوگا۔ لیکن آپ ایک ایسا کام جو خود آپ کے اور

پوری انسانیت کے وجود کو خطرے میں ڈال دے، کرنا چاہیں گے جب اس کے فوائد لامحدود ہوں۔ یہی معاملہ 'مصنوعی ذہانت' سے لے کر 'مافوق ذہانت' حاصل کرنے کی اس دوڑ میں چھپا ہے۔

یہ سب محض اس لیے نہیں کہ خوب سے خوب تر کی جستجو انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ اس لیے بھی نہیں کہ ہم بہت سے مسائل مثلاً بیماریوں اور غربت کا خاتمہ کر لیں گے، بلکہ اگر ہم نے خدائی ذہانت حاصل کر لی تو ایک طرف ناقابلِ یقین معاشی ترقی حاصل ہو گی، اور دوسری طرف ناقابلِ تسخیر طاقت بھی۔

یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے: ایسی طاقت جو انسان کی حدود و قیود کو توڑ سکے یا شاید اس سب سے بڑھ کر خود انسان کو دیوتا بنا سکے۔ صنعتی دور میں انسان نے نئے بت تراش لیے۔ کلیسا کی جگہ بنک اور اسٹاک مارکیٹ نے لے لی۔ تب سے اب تک انسان دولت کے اس بت کی پرستش کرتا آ رہا ہے۔ لیکن کیا 'دورِ ذہانت' میں انسان خود اپنے ہاتھ سے ایک جیتا جاگتا بت بنانے کو ہے جہاں انسان کو کام کرنے کی ضرورت ہو گی نہ کسی چیز کی کمی۔ اور اگر سب صحیح رہا اور ہماری توقعات کے مطابق ہوتا رہا، تو کیا یہ بت خود ہم کو دیوتا کے درجے پر فائز کر سکے گا؟

ایک ایسے دور میں جب ہماری دعوت کا میدان تعلیمی اداروں، دفاتر، گلی کوچوں اور گھر سے نکل کر سوشل میڈیا بن چکا ہے۔ جب معلومات کے تیز بہاؤ نے ہم سے ہماری توجہ چھین لی ہے، تو ٹکنالوجی کے سراب میں پھنسا انسان، 'مافوق ذہانت' کی طاقت سے لیس انسان اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا اعلان کرتے دیر نہیں کرے گا۔ آنے والے دنوں میں مسلم دنیا کے لیے چیلنج صرف 'مصنوعی ذہانت' کا نہیں ہو گا بلکہ ہمیں اس بت کو توڑنے والا کردار بھی پیدا کرنا ہو گا۔

یہ محض ایک تکنیکی انقلاب [Technology Revolution] نہیں بلکہ طاقت، انسان اور تہذیب کے تعلق کی از سرِ نو تشکیل ہے، اور مسلم دنیا کو اس نئے دور میں محض صارف نہیں بلکہ رہنما بننے کے لیے اپنے فکری وسائل دوبارہ دریافت کرنا ہوں گے۔

اختتامیہ: کہتے ہیں کہ "کسی زمانے میں ایک بوڑھے جادو گر نے اپنے شاگرد کو کنوئیں سے پانی لا کر گھر کے حوض میں جمع کرنے کا کہا اور خود کسی کام سے باہر چلا گیا۔ نوجوان جادو گر جو ابھی جادو گری سیکھ ہی رہا تھا تھوڑی دیر میں پانی کی بالٹیاں اٹھاتے اٹھاتے تھک گیا تو اس نے ایک جادوئی جھاڑو کو پانی جمع کرنے کے کام پر لگا دیا اور خود آرام کرنے لگا۔ جادوئی جھاڑو نے تھوڑی ہی دیر میں پانی جمع تو کر لیا لیکن کام بند نہ کیا۔ نتیجہ یہ کہ اب پانی حوض سے باہر نکلنے لگا اور تھوڑی ہی دیر میں گھر کے فرش پر پھیلنا شروع ہو گیا۔ نوجوان جادو گر یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا کیونکہ اس نے جادوئی جھاڑو کو کام پر تو لگا دیا تھا لیکن اس کو کام سے روکنا کیسے ہے؟ یہ اس کو نہیں پتہ تھا۔ کچھ دیر کھینچا تانی کرنے کے بعد نوجوان جادو گر نے تلوار اٹھا کر اس جھاڑو کے دو ٹکڑے کر دیے۔ لیکن اس کی تدبیریں اُلٹی ہو گئیں کہ بجائے اس کے کہ جادوئی جھاڑو کام بند کر دیتی، اب دو دو جھاڑوؤں نے پانی بھرنے کا کام شروع کر دیا۔ کچھ ہی دیر میں پورے گھر میں پانی بھرنے لگا اور گھر کا سامان پانی میں ڈوبنے لگا۔ قریب تھا کہ پورا گھر پانی میں ڈوب کر سب سامان برباد کر دے کہ بوڑھا جادو گر واپس آ گیا اور صورتِ حال کو سمجھتے ہوئے اس نے جادوئی کلمات ادا کر کے جھاڑوؤں کو کام سے روک دیا۔ گھر سے پانی باہر نکالنے کے بعد بوڑھا جادو گر نوجوان جادو گر کی طرف متوجہ ہوا اور بولا کہ کبھی ایسی طاقتوں کو کام پر نہ لگاؤ جن کو روک نہ سکو"۔

جرمن شاعر گوئٹے نے یہ کہانی ایک نظم کی صورت میں تین صدیوں قبل لکھی تھی۔ آج جس دورِ ذہانت [Intelligence Age] میں ہم جی رہے ہیں اور ٹکنالوجی جس برق رفتاری سے فرد، خاندان اور معاشرے کو تبدیل کر رہی ہے، اس صورتِ حال پر گوئٹے کی یہ نظم پوری طرح صادق آتی ہے۔ ایک معصوم بچے کی طرح، کہ جس کے ہاتھ میں کوئی کھلونا آ گیا ہو۔ ہم بھی ٹکنالوجی کو زندگی کے ہر شعبے میں تیزی سے مسلط ہوتا دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں لیکن اس کے اثرات سے بالکل بے خبر ولاپروا نظر آتے ہیں۔

از تحریر: مولانا زاہد الراشدی

انسانی حقوق کا مغربی تصور اور اسلامی تصور

جناب رسالت مآب ﷺ کی سنت ہے کہ اسلام کی دعوت اور پیغام کو مخاطب کی زبان میں اس کی ذہنی سطح اور نفسیات کے مطابق پیش کیا جائے۔ مکہ مکرمہ کے قریشی سردار جب جناب رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید کے اثرات سے پریشان ہو کر جرگے کی صورت میں آنحضرت کے پاس آئے اور پوچھا کہ آخر آپ ﷺ کی دعوت کا مقصد کیا ہے اور آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ تو رسول اکرم ﷺ نے ان کے مزاج ونفسیات اور ذہنی سطح کو سامنے رکھتے ہوئے یہ جواب دیا کہ۔

''میں ایک ایسا کلمہ تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ اگر تم اسے قبول کر لو تو عرب وعجم تمہارے تابع ہوں گے۔''

جناب نبی اکرم ﷺ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ غلبہ، قوت اور اقتدار کے سوا کسی اور زبان کو نہیں سمجھتے اس لیے آپ ﷺ نے انہی کی زبان میں دعوت اسلام کے نتائج وفوائد سے انہیں آگاہ کیا۔ اور یہ بات خلاف واقعہ بھی نہ تھی اس لیے کہ اسلام کی دعوت کو قبول کرنے کے بے شمار نتائج ومنافع میں سے ایک منفعت یہ بھی تھی۔ چونکہ سوال کرنے والوں کے ہاں اس منفعت کی اہمیت زیادہ تھی اس لیے آنحضرت ﷺ نے اسی کا حوالہ دے کر ان کے سوال کا جواب مرحمت فرمایا۔ اس پس منظر میں آج کے دور میں دعوت اسلام کی ضروریات اور تقاضوں کا جائزہ لیا جائے اور جناب رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ کو نسل انسانی کے سامنے پیش کرنے کے لئے ترجیحات پر غور کیا جائے تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسانی حقوق

کے بارے میں قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول اکرم ﷺ کے ارشادات واحکام کو زیادہ اہمیت کے ساتھ منظر عام پر لایا جائے۔ اور انسانی معاشرہ کو بتایا جائے کہ انسانی حقوق کے تعین اور تحفظ کا جو معیار اور دائرہ کار اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر نے کم و بیش ڈیڑھ ہزار سال قبل دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، انسانی عقل تدریج و ترقی کے تمام مراحل طے کرنے اور مختلف نظام ہائے زندگی کا تجربہ کرنے کے باوجود اس کا کوئی متبادل سامنے نہیں لا سکی، اور انسانی معاشرہ ایک بار پھر پریشانی اور اضراب کے عالم میں اپنے مسائل ومشکلات کے حل کے لیے کسی مسیحا کے انتظار میں ہے۔

آج کی دنیا میں ''انسانی حقوق'' کی زبان سب سے زیادہ توجہ کے ساتھ سنی جانے والی زبان ہے، جبکہ ورلڈ میڈیا اور لابیوں نے اسے صرف زبان کی حد تک نہیں رہنے دیا بلکہ وقت کا موثر ترین ہتھیار بنا دیا ہے جو عالم اسلام اور تیسری دنیا کی اقوام کے خلاف مغرب کے ہاتھوں میں کامیابی کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے۔ اور مغرب جسے چاہتا ہے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر اور جنیوا کنونشن کی قراردادوں کے شکنجے میں جکڑ کر انسانی حقوق کی چھری کے ساتھ ذبح کر دیتا ہے۔ مغرب انسانی حقوق کے حوالہ سے جتنے بلنگ بانگ دعوے کر لے، مگر انسانی حقوق اور فری سوسائٹی کے مغربی تصور پر مبنی سولائزیشن نے نتائج و ثمرات کے لحاظ سے اج جو روپ دھار لیا ہے اس نے خود مغربی دانشوروں کو حیران و ششدر کر دیا ہے اور مغربی معاشرہ میں جنسی انارکی اور فیملی سسٹم کی تباہی نے گورہا چوف جیسے مدبر کو یہ لکھنے پر مجبور کر دیا ہے کہ ہم نے عورت کو گھر سے نکال کر غلطی کی ہے اور اب اسے گھر واپس لے جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا۔ دراصل مغرب حقوق و فرائض میں توازن قائم رکھنے اور ان کے درمیان حد فاصل قائم کرنے میں ناکام رہا ہے۔ جبکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حقوق اور فرائض کو نہ صرف یکجا ذکر کیا بلکہ ان کے درمیان ایسا حسین توازن قائم کر دیا جو گاڑی کے دو پہیوں کی طرح انسانی زندگی کا یکساں بوجھ اٹھا سکتا ہے اور اسے لے کر کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ سکتا

ہے۔ مگر مغرب نے حقوق و فرائض کو آپس میں گڈ مڈ کر دیا اور ان کے درمیان کوئی خط امتیاز قائم نہ رہنے دیا جس کی وجہ سے انسانی معاشرہ ذہنی انتشار اور فکری انارکی کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔ مثلاً اقتدار اور حکومت کو نبی اکرم ﷺ نے فرائض اور ذمہ داریوں میں شمار کیا ہے اور قدم قدم پر اس ذمہ داری کی نزاکت اور سنگینی سے خبردار کیا ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ حکمرانوں میں احساس ذمہ داری اور خدا خوفی کی صورت میں ظاہر ہوا اور لوگ اقتدار کی دوڑ میں شریک ہونے کی بجائے اس سے بچنے میں عافیت محسوس کرنے لگے۔ مگر مغرب نے اسے حقوق کی فہرست میں رکھ دیا اور اس حق کو حاصل کرنے کے لیے جو دوڑ لگتی ہے اس کے فوائد ونقصانات کا تناسب ہر ذی شعور پر واضح ہے۔ محنت، مزدوری اور ملازمت کے ذریعے روزی کمانا اور اہل خانہ کی کفالت کرنا رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کی رو سے فرائض کا حصہ ہے اور ڈیوٹی ہے جو گھر کے سربراہ پر عائد ہوتی ہے۔ مگر مغرب نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں بے شمار افراد کے قتل ہو جانے کے باعث پیدا ہونے والے افرادی قوت کے خلاء کو پر کرنے کے لیے عورت کو گھر سے باہر لانے کی ضرورت محسوس کی تو ملازمت اور محنت ومزدوری کی ڈیوٹی پر ''حقوق'' کا خوشنما لیبل چسپاں کر کے اس غریب کو ورغلا لیا۔ اور وہ ''عقل کی پوری'' بچے جننے اور اس کی پرورش کرنے کی ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ اسے کما کر کھلانے کی ڈیوٹی میں بھی شامل ہو کر خوش ہونے لگی کہ اب میں مردوں کے شانہ بشانہ ''مساوی حقوق'' سے بہرہ ور ہو گئی ہوں۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور حکومت کے غلط طرز عمل پر نقد و جرح کو فرائض میں شمار کیا ہے جو حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی کسی تقسیم کے بغیر معاشرہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنے کو جہاد قرار دیا ہے اور یہ تعلیم دی ہے کہ جو شخص دیکھتے جانتے ہوئے بھی غلط کو غلط نہیں کہتا وہ شریعت کی نظر میں مجرم ہے۔ مگر مغرب نے آزادئ رائے اور حکومت کی غلط

پالیسی پر اسے ٹوکنے کو فرائض کے زمرہ سے نکال کر حقوق کے دائرہ میں شامل کر لیا۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ یہ ایک اختیاری امر بن گیا اور دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ ''حقوق'' کے تصور نے اقتدار اور اپوزیشن کی صف بندی کر دی جس نے پوری قوم کو دو حصوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا۔ یہ چند مثالیں یہ بات واضح کرنے کے لیے پیش کی گئی ہیں کہ مغرب نے ''حقوق وفرائض'' کو خلط ملط کر کے انسانی معاشرہ کی گاڑی کے دونوں پہیوں کا توازن بگاڑ دیا ہے جس کی وجہ سے گاڑی مسلسل لڑکھڑاتی چلی جا رہی ہے۔ جبکہ جناب رسالت مآب ﷺ نے حقوق وفرائض میں توازن قائم کیا اور اس کا عملی نمونہ خلافت راشدہ کی صورت میں پیش کر کے دنیا کو دکھا دیا۔ مغرب سے انسانی حقوق کے حوالہ سے دوسری بنیادی غلطی یہ ہوئی کہ حقوق کی تعین کا معیار قائم کرنے میں اس کی نگاہ انسانی معاشرے کی وسیع تر ضروریات کا احاطہ نہ کر سکی۔

مغرب نے حق کے تعین میں معیار یہ پیش کیا کہ ہر شخص کو اپنی مرضی پر عمل کرنے کا حق ہے، جب تک کہ دوسرے شخص کی آزادی متاثر نہ ہو۔ اس طرح مغرب نے حق وناحق اور جائز وناجائز کے تعین میں شخصی مفادات وضروریات میں ہم آہنگی یا ٹکراؤ کو بنیاد بنایا اور اس سے آگے نسل انسانی اور انسانی معاشرہ کی اجتماعی ضروریات ومفادات تک اس کی نگاہ نہ جا سکی جس کا خمیازہ مغرب کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ مثلاً مرد وعورت کے اختلاط میں مغرب نے یہ تصور پیش کیا کہ جس درجہ کے اختلاط پر دونوں باہم رضامند ہوں، کسی تیسرے کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی قانون کو گرفت کرنی چاہیے۔ یہاں مغرب نے مرد اور عورت کی باہمی رضامندی تو دیکھ کی مگر پورے معاشرہ پر اس اختلاط کے اثرات کو نہ دیکھ سکا جس کے نتیجے میں کنواری ماؤں اور ناجائز بچوں کے تناسب میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور فیملی سسٹم تباہی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔ جبکہ جناب نبی اکرم ﷺ نے مرد وعورت کی اس باہمی رضامندی کو بھی جرم قرار دیا ہے جو معاشرے کے لیے منفی نتائج کا باعث بن سکتی ہو۔

اور مرد وعورت کے اختلاط اور میل جول کا ایک دائرہ قائم کر کے باقی ہر قسم کے میل جول سے منع فرما دیا ہے، کیونکہ کسی بھی عمل کے جائز ہونے کے لیے صرف اس عمل کے دو فریقوں کا رضامند ہونا کافی نہیں بلکہ انسانی معاشرہ کا اس کے منفی اثرات سے محفوظ رہنا بھی ضروری ہے۔ اور یہی بنیاد ہے اس توازن کی جو رسول اکرم ﷺ نے مرد وعورت کے تعلقات کے حوالہ سے قائم فرمایا ہے۔ سود کے بارے میں مغرب نے کہا کہ جب سود لینے اور دینے والے آپس میں متفق ہیں تو کسی اور کو کا اعتراض ہے؟ یہاں بھی مغرب نے دو افراد کی رضامندی کے محدود دائرہ کو بنیاد بنایا۔ جبکہ جناب رسالت مآب ﷺ نے معاشرہ پر مجموعی طور پر اس کے منفی اثرات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ اور آج سودی معیشت نے جس طرح پوری دنیا کو چند مخصوص گروہوں کی معاشی اجارہ داری کے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے وہ اسلامی تعلیمات کی صداقت اور جناب رسول اللہ ﷺ کی خداداد فراست وبصیرت کی روشن اور کھلی شہادت ہے۔ ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے حوالہ سے ہمیں آج کھلے دل ودماغ کے ساتھ انسانی حقوق کے مغربی تصور کا جائزہ لینا چاہیے اور اس کے وسیع تر پراپیگنڈہ سے مرعوب ہونے کی بجائے اس کے کھوکھلے پن کو تقابلی مطالعہ کے ساتھ سامنے لا کر اسلامی تعلیمات واحکام کو واضح کرنا چاہیے۔ تاکہ مشکلات ومصائب کے صحرا میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کی اسوۂ حسنہ کے شفاف اور خوش ذائقہ سرچشمۂ حیات کی طرف رہنمائی کا جا سکے۔

مغرب اور انسانی حقوق کے حوالہ سے گفتگو چلی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسانی حقوق کے فلسفہ کی فکری بنیادوں سے ہٹ کر اس کے واقعاتی پہلوؤں پر بھی کچھ معروضات پیش کر دی جائیں۔ بالخصوص اس تضاد اور دوعملی کے پس منظر میں جو مغرب نے عالم اسلام کے بارے میں اختیار کر رکھا ہے۔ اور جس نے یہ بات پوری طرح واضح کر دی ہے کہ مغرب کے نزدیک ''انسانی حقوق'' کسی فلسفہ یا اصول کا نام نہیں بلکہ یہ محض ایک ہتھیار ہے جو اس

نے مخالف اقوام پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اختیار کر رکھا ہے، ورنہ مغرب جو ووٹ، الیکشن اور بیلٹ باکس کے تقدس کا علمبردار ہے اور غیر جمہوری حکومتوں کا اپنے ساتھ برابر کی سطح پر بیٹھنا گوارا نہیں کرتا، الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کی انتخابی کامیابی پر آتش زیر پا کیوں ہے؟ اور اسلامک فرنٹ کی جمہوری قوت کو کچلنے کے لیے الجزائر کی غیر جمہوری حکومت کی پشت پناہی کیوں کر رہا ہے؟ آج اس مغرب کو وادئ کشمیر میں گھر گھر بہنے والا خون نظر نہیں آرہا اور نہ حوا کی بیٹیوں کی دل فگار چیخیں مغرب کے کانوں تک پہنچ پا رہی ہیں۔ کشمیر میں انسانی حقوق کے ساتھ ہولی کھیلی جارہی ہے مگر چونکہ مرنے والے مسلمان ہیں اور ان کے ساتھ مغرب کا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے اس لیے کشمیر کے حوالے سے مغرب کے کان اور آنکھیں بند ہیں، اور اس کے انسانی حقوق کے سارے کے سارے فلسفے مصلحتوں کے فریزر میں منجمد پڑے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ کشمیر، فلسطین اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے حوالہ سے منافقانہ طرز عمل نے مغرب کے چہرے سے ''انسانی حقوق'' کا ریاکارانہ نقاب نوچ پھینکا ہے اور اس کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے کر دیا ہے جس کے بعد اس کے پیش کردہ ''انسانی حقوق'' کا ظاہری بھرم بھی قائم رہتا نظر نہیں آرہا۔ چنانچہ مسلم علماء اور دانشوروں کو چاہیے کہ وہ حوصلہ اور اعتماد کے ساتھ آگے بڑھیں اور دنیا کو منطق واستدلال کے ساتھ بتائیں کہ انسانی حقوق کا حقیقی فلسفہ اور متوازن نظام وہی ہے جو جناب رسالت مآب ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور آج بھی انسانی معاشرہ کی فلاح وکامیابی اسی نظام کو اپنانے پر منحصر ہے۔

محمد موسیٰ بھٹو

مسلم نفسیات اور جدید نفسیات

اہم تجزیہ

مسلم نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان کے بعض سنگین مسائل ہیں، جس سے وہ اپنی ذات اور معاشرے کے لئے مضر ثابت ہوتا ہے، بالخصوص ذہین اور باصلاحیت فرد کے مسائل، ان میں سے کچھ مسائل یہ ہیں۔

(۱) اپنی برتری چاہنا اور اس کے لئے کوشاں ہونا، لیکن اس طریقہ سے جس سے بظاہر لوگ یہ محسوس نہ کر سکیں کہ وہ برتری چاہتا ہے، اگر اقتدار اور اختیار حاصل ہے تو اس صورت میں اپنی برتری کو قائم وبرقرار رکھنے کے لئے آخری حد تک جانا۔

(۲) حسد اور جلن کا ہونا، بالخصوص اپنی معاصر شخصیتوں کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھکر حسد کا مظاہرہ ہونا اور انہیں گرانے کے لئے کوشاں ہونا۔

حاسدانہ کارروائیاں فرد کو بے چین رکھتی ہیں اور اسے نفسیاتی مریض بھی بناتی ہے۔

(۳) دوسروں کی تحقیر کرنا، یہ بیماری ایسی ہے، جس سے فرد کو لذت محسوس ہوتی ہے چنانچہ کسی کی گلا غیبت کر دی، کسی کو اذیت کا نشانہ بنایا، کسی کو دھوکہ دیا اور کسی کو مالی نقصان پہنچایا۔

(۴) اپنی داد چاہنا، اپنی داد چاہنا اور اپنے ساتھیوں سے اپنی تعریف سننے کا شوق فرد میں اتنا غالب ہوتا ہے کہ وہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتا، لیکن خود ثنائی کے طعنہ سے بچنے کے لئے وہ بظاہر خود ہی اپنی تعریف کرنا شروع نہیں کرتا، لیکن گفتگو کے رخ کو اس طرح موڑ دیتا ہے، جس سے دوسرے اسے داد دینے لگیں۔

خود ثنائی کی بیماری باصلاحیت اور ذہین فرد کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔

(۵) دوستی اور وفاداری کو نبھانے میں ناکام ہونا، فرد کے لئے دوستی اور وفاداری کو سنبھالنا بھی سخت مشکل ہوتا ہے، اس لئے کہ اس میں ایثار و قربانی دینی پڑتی ہے اور اغراض و مفادات سے دستبردار ہونا پڑتا ہے اور اخلاص کا حامل ہونا پڑتا ہے، لیکن باصلاحیت فرد اکثر چھوٹی چھوٹی باتوں پر دوستی کے رشتہ کو توڑ دیتا ہے۔

(۶) گھر والوں اور دوست واحباب کی مزاج کے خلاف باتیں سن کر باصلاحیت فرد ضد میں آجاتا ہے اور ان سے اپنے تعلقات کو متاثر کر لیتا ہے، ضد کی نفسیات ایسی ہے جو افراد کے درمیاں لوٹ پھوٹ پیدا کر دیتی ہے۔

(۷) مزاج کی سختی بھی بڑی بیماری ہے، جو بالخصوص باصلاحیت افراد میں موجود ہوتی ہے، مزاج کی سختی سے گھر، خاندان اور ادارے انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں۔

(۸) مال کی شدید محبت کا ہونا، مال کے ساتھ فرد کی شدید محبت ہوتی ہے، وہ مال پر فدا ہونے لگتا ہے، وہ اپنے مستحق عزیز واقارب اور دوست احباب کی مالی مدد کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اس لئے کہ ایسا کرنے سے اسے شدید اذیت ہوتی ہے۔

(۹) ذہنی خلفشار کا پیدا ہونا، ذہنی خلفشار بھی عام بیماری ہے، جس سے ڈپریشن پیدا ہوتی ہے، ڈپریشن، خیالی قوت کو ایک مرکزی نکتہ پر قائم نہ رکھنا اور ذہن کو طرح طرح کی چیزوں میں الجھائے رکھنے اور زندگی کے سنگین مسائل سے مایوس ہونے کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔

(۱۰) نفس کی قوت کو روحانی قوت پر غالب رکھنا مسلم نفسیات کا کہنا ہے کہ فرد کے بیشتر مسائل روحانی قوت اور روح کو پامال کرنے اور خواہشات نفس کو غالب کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں، اس سے جتنے بھی مسائل پیدا ہوں کم ہے، نفس، ذہن اور دل کو اغویٰ کر کے انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے جس سے یہ دونوں نفس کی یرغمال ہو کر اللہ سے سرکشی راہ پر گامزن ہوتے ہیں، جس سے فرد کی زندگی عذاب سے دوچار ہوتی ہے۔

(۱۱) احساس کی ناپاکیزگی، احساس کی ناپاکیزگی کی حالت ایسی ہے جو اس دور میں بہت زیادہ پیدا ہو گئی ہے، احساس خراب ہوتا ہے تو نئے نئے مسائل اور بحران پیدا ہوتے ہیں، لیکن جب احساس پاکیزہ ہوتا ہے تو فرد ہر طرح کے ذہنی انتشار اور ٹینشن سے محفوظ ہوتا ہے، احساس کی پاکیزگی کی یہ حالت روح کو طاقتور بنانے سے حاصل ہوتی ہے۔

غرض کہ مسلم نفسیات پوری انسانی شخصیت سے بحث کر کے اسے ان بیماریوں سے بچا کر اسے اشرف المخلوقات بنانے کا کردار ادا کرتی ہے۔

جب کہ جدید نفسیات پوری انسانی شخصیت سے بحث کرنے کے بجائے اس کے ایک دو پہلوؤں سے بحث کرتی ہے اور ڈپریشن کے علاج کے لئے کوشاں ہوتی ہے اور انسانی حیات کے مسائل سے بحث کرتی ہے۔

ذہن کو پوری انسانی شخصیت سے الگ کر کے اس کا علاج کرنا افادیت کا حامل کم ہی ہوتا ہے۔

مسلم نفسیات کا انسانی نفسیات کے بارے میں جو تجزیہ ہے، وہ جامع نوعیت کا ہے، اس کا کہنا ہے کہ انسانی نفسیات کی گہرائیوں میں موجود فساد، اللہ کی زمین پر پیدا ہونے والے فساد کا موجب ہے، انسانی نفس جب اللہ سے سرکشی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے تو اس کی پوری شخصیت مسموم ہو جاتی ہے، اس کے زہریلے اثرات اللہ کی زمین پر بھی ظلم و ستم اور فساد کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، اس لئے مسلم نفسیات میں پوری انسانی شخصیت کی بہتری کے لئے لائحہ عمل موجود ہے، اس لائحہ عمل کی طاقتور بنیاد توحید کا عقیدہ اور اللہ کی طرف متوجہ ہوتے رہنا ہے، جب توجہ اللہ کی طرف مرکوز ہوتی ہے تو شخصیت پر اللہ کے انوار کا ورود ہونے لگتا ہے، جس سے پوری انسانی شخصیت پاکیزگی اور پاکیزہ احساسات کا حامل ہوتی ہے، جس سے ہر طرح کی نفسیاتی بیماریاں راہ فرار اختیار کرنے لگتی ہے۔

جدید نفسیات کا المیہ ہے کہ انسانی نفسیات کو سمجھنے کے سلسلہ میں اس کی نظریاتی بنیاد ہی غلط ہے، ان کے ہاں توحید کے عقیدہ اور دین و مذہب کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، وہ روح کی حیثیت کو بھی سمجھنے سے قاصر ہیں، اس لئے ان کے ہاں پوری انسانی شخصیت انسانی جزو کی حیثیت اختیار کر گئی ہے، وہ پوری شخصیت کو چھوڑ کر اس جزو کا علاج کرتے ہیں اس علاج کا وقتی طور پر تو فائدہ ہوتا ہے، لیکن انسانی نفسیات میں موجود بگاڑ پوری طرح دور نہیں ہوتا۔

مسلم نفسیات کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ عقیدہ توحید اختیار کر کے اللہ کی توجہ کو ذہن اور دل کا حصہ بنالو، اس طرح حصہ بنالو کہ یہ توجہ ہر وقت غالب رہے، اس کے لئے مسلم نفسیات کے ماہرین کی صحبت اور ذکر پر زور دیا بلکہ اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اس کی وجہ سے نفس اور نفسانیت کی اصلاح ہونے لگتی ہے اور انسان خود بھی ہر طرح کے فساد اور بگاڑ سے محفوظ ہو جاتا ہے تو اللہ کے زمین بھی انسان کے برپا کردہ فساد سے بچ جاتی ہے۔

جدید نفسیات جب تک اس نکتہ کو سمجھنے میں کامیاب نہ ہو گی، تب تک انسانیت ہر طرح کی نفسانی بیماریوں کا شکار ہوتی رہے گی۔

المیہ یہ ہے کہ مسلم نفسیات کے طریقہ علاج سے خود مسلمانوں کی جدید نسلیں استفادہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، سبب یہ ہے کہ ان کی ذہن سازی مغرب کے نظریاتی ماحول میں ہوئی ہے، وہ مغرب کی ایجاد کردہ چیزوں پر فدا ہیں، اپنی تہذیب اور روایات پر ان کا اعتماد ختم ہو چکا ہے، اس کی سزا بڑھتی ہوئی نفسیاتی بیماریوں اور فساد فی الارض کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔

محمد موسیٰ بھٹو

دوسری قسط

تزکیہ اور روحانی پاکیزگی

کثرت ذکر سے
ہوس زر کا ختم ہونا

• ذکر و مراقبہ کہنے میں تو ہلکے الفاظ ہیں، لیکن نفس کی قوت کو کچلنے میں سب سے بھاری ہیں اور تربیت و تزکیہ میں سب سے زیادہ مؤثر ہیں، ذکر و مراقبہ اللہ کے انوار کو کشید کر کے ساری انسانی شخصیت کی طرف منتقل کرنے کا ذریعہ ہے۔

جس سے افراد کی ہوس زر ختم ہوتی ہے اور قناعت اور تھوڑے سے وسائل سے زندگی گزارنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔

دین و مذہب کے نام پر ذکر کو اہمیت نہ دینا

• دین و مذہب کے نام پر جو افراد ذکر و مراقبہ کو اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں، وہ قابل رحم ہیں، اس لئے کہ وہ اپنی شخصیت اور اپنے جذبات پر قابو پانے میں کم ہی کامیاب ہوتے ہیں، وہ اپنے متعلقین کے لئے ذکر و مراقبہ کی راہ بند کر کے، انہیں ڈپریشن کے سے حالات سے دوچار کر دیتے ہیں، مذہب کی ظاہری شکل پر اکتفا کرنے اور دل کی صلاحیتوں کی عدم بیداری کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

غلامی کا نفس کی غلامی ہونا

• مسلم ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ غلامی دراصل نفس کی غلامی ہوتی ہے، جو قومیں اجتماعی اخلاقیات سے محروم ہوتی ہیں، وہ نفس کی غلامی میں آخری حد تک چلی جاتی ہیں، اور اپنی عملی اجتماعی زندگی میں خدا کی غلامی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی، انہیں نسبتاً بہتر

اجتماعی اخلاقیات کی حامل قوموں کا غلام بنایا جاتا ہے، ان قوموں کی غلامی میں وہ اخلاقی اعتبار سے اور زیادہ پست ہو جاتی ہیں، ایسی قوموں میں اگر اندر سے بدلنے کی کوئی طاقتور لہر شروع ہو اور اللہ کے فضل خاص سے وہ اللہ کی طرف رجوع ہوں تو وہ غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر بھی اس سے نکل جاتی ہیں، اس کے لئے چاہے انہیں کتنی ہی قربانی دینی پڑے، لیکن اگر اندر سے بدلنے کی تحریک شروع نہیں ہوتی تو وہ غلامی کی پست حالت سے دوچار ہونے لگتی ہیں۔

اللہ کے ذکر کے لئے اگر اجتماعی فضا پیدا ہو تو اس سے کردار میں رونق پیدا ہوتی ہے تو ساتھ ساتھ اللہ کی مدد بھی شامل ہو جاتی ہے۔

اللہ سے دور ہونے کی سزا

• ہمارے مقتدر طبقات قابل رحم ہیں کہ وہ نہ تو اپنی تربیت کا اہتمام کرتے ہیں اور نہ ہی نئی نسل کو تربیتی مراحل سے گزارنے کی فکر رکھتے ہیں، اس کی وجہ سے جو نقصانات ہو رہے ہیں، وہ یہ ہیں • زندگی کا مقصد مال و دولت بن کر رہ گیا ہے • حرص و ہوس کے جذبات بڑھ رہے ہیں • دولت کا ارتکاز خاص طبقات تک محدود ہو گیا ہے • معیشت زبون حالی کا شکار ہو گئی ہے • سیاست میں تصادم کی حالت تیز ہو گئی ہے • بہتر قیادت کا راستہ رک گیا ہے • موجودہ قیادت پر سے اعتماد ختم ہو گیا ہے • لوگوں میں مایوسی کی حالت پیدا ہو گئی ہے • ضمیر سے فتویٰ پوچھنے کا راستہ رک گیا ہے • عالمی مالیاتی اداروں کی غلامی سے نکلنے کے لئے نہ تو کوئی منصوبہ بندی ہے اور نہ ہی اس کا ارادہ۔

یہ ساری صورتحال تربیت کے فقداں اور اللہ سے دوری کا نتیجہ ہے، جو اللہ سے دور ہوتے ہیں، ان کو اسی طرح کی سزا ملتی ہے۔

تعلیم کے ذریعہ

بہتر تربیت کی ضرورت

• ہماری نوعمر اور نوجوان نسل کی تربیت کا انحصار اب سوشل میڈیا کے حوالے ہو گیا ہے اور سوشل میڈیا پر مغربی تہذیب کا رنگ غالب ہے، جس کے تحت بے مقصد زندگی کو فروغ دینا، لہو و لعب اور فحش مناظر کے ذریعہ ذہن کو پراگندہ کرنا ہے، تعلیم کے ذریعہ تربیت کے بہتر اور پاکیزہ نظام کو مستحکم کر کے نئی نسل پر سوشل میڈیا کے اثرات کا بڑی حد تک سد باب کیا جا سکتا ہے، لیکن ہمارے ذمہ دار طبقات کو اس کی کوئی فکر لاحق نہیں۔

علماء کرام کی معاشرے کے لئے مفید ہونے کی صورت

• دینی مدارس سے نکلنے والے علماء کرام ہمارے معاشرے کا اہم حصہ ہے، وہ معاشرے کو بنانے میں سب سے زیادہ بہتر کردار ادا کر سکتے ہیں، اس لئے کہ مساجد ان کے حوالے ہیں اور جمعہ کے خطاب کے ذریعہ ان کا لاکھوں لوگوں سے رابطہ ہے، لیکن ان کی گفتگو میں زیادہ تاثیر نہیں ہے، اس کا ایک سبب تو لوگوں کے دل کا خالی ہونا ہے، اس کا دوسرا سبب خود علمائے کرام کے دل کا اللہ کے ذکر سے سرشار نہ ہونا ہے، چونکہ مدارس میں تربیت و تزکیہ اور ذکر نصاب و نظم کا حصہ نہیں ہے، اس لئے علماء، علم کے زیور سے تو بہرہ ور ہوتے ہیں، لیکن دل کی صلاحیتوں اور باطنی قوت کے اعتبار سے وہ کمزور ہیں، باطنی صلاحیتوں اور قوتوں کے بغیر نہ تو خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی دوسروں کے دلوں کو جھنجھوڑ کر اللہ کے قریب کرنے کی استعداد۔ اس اعتبار سے دینی مدارس کے فضلا کو اپنے طلبہ کے لئے بہتر تربیت کا نظام تشکیل دینا ہوگا، جس سے مدارس سے نکلنے والے علماء اپنے لئے اور معاشرے کے لئے زیادہ مؤثر و مفید ثابت ہو سکیں۔

ہر انسان کے اندر ظلم و ستم
وفسطائیت کے جذبات کا ہونا

•ہر انسان کے اندر ظلم و ستم، اور فسطائیت کے جذبات رکھے گئے ہیں، یہ جذبات فرد کو سنگ دل بنا دیتے ہیں، جن افراد کو اختیار حاصل ہوتا ہے، وہ عملا ان جذبات کا مظاہرہ کرتے ہیں، جسے اختیار حاصل نہیں ہوتا، وہ بے بس ہوتا ہے اور وہ فوں فاں کے مظاہرہ تک محدود رہتا ہے، ان جذبات کو پاکیزہ بنانے میں اللہ کا ذکر اور مراقبہ فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے، معاشرے کو ہر طرح کے فساد سے بچانے کی صورت یہی ہے کہ خدا پرستی پر مبنی روحانیت اختیار کی جائے اور روحانی قوتوں کو نفس کی قوتوں پر غالب کیا جائے۔

یہ نکتہ شاید اوپر بھی الفاظ کے ردو بدل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، لیکن چونکہ معاشرہ میں اس باطنی بیماری کا ادراک اور شعور نہیں ہے، اس لئے اسے زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے۔

دعوتی کام میں اخلاص کے لئے
ذکر کی ضرورت

•دعوتی کام بھی اسلام کا اہم تقاضا ہے، لیکن دعوتی کام میں مستعدی اور بے لوثی پیدا کرنے کے لئے ذکر و فکر کا سہارا ضروری ہوتا ہے، دوسری صورت میں دعوتی کام میں نفسانیت کی آمیزش ہونے لگتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ذکر و فکر اور صحبت، اہل اللہ سے تقویٰ، تزکیہ، خشیت، اخلاص، للھیت اور اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں، ان خصوصیات کے ساتھ فرد اپنی

صلاحیت کے مطابق دین کے جس شعبہ میں بھی کام کرے گا، اس میں غیر معمولی برکت پیدا ہوگی۔

آخرت کی ابدالاباد والی
زندگی کی فکر مندی کا ہونا

•ذکر و مراقبہ کی ایک بڑی خاصیت یہ ہے کہ فرد آخرت کی ابدالآباد والی زندگی کے بارے میں بہت زیادہ حساس اور متفکر ہونے لگتا ہے، اور اس کے لئے ہر ممکن حد تک تیاری کے لئے کوشاں ہوتا ہے اور اسے یہ کھٹکہ ہر وقت لگا رہتا ہے کہ اسے اللہ کے سامنے پیش ہو کر زندگی بھر کے سارے اعمال کا حساب دینا ہے، ذکر و فکر اس کے اس کھٹکہ میں غیر معمولی اضافہ کرتا ہے۔

ذکر سے دینی خدمت کے
بہت سارے کام سرانجام دینا

•اسلام میں دینی خدمت کے کاموں کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، ذکر و فکر سے یہ استعداد پیدا ہوتی ہے کہ فرد اخلاص اور پوری مستعدی سے دینی خدمت کا کام سرانجام دینے لگتا ہے، اگرچہ شروع میں ذکر و فکر کے ملکہ کو مستحکم کرنے میں کچھ زیادہ وقت دینا پڑتا ہے لیکن جب اخلاص کی حالت مستحکم ہوتی ہے تو آخر میں وہ دینی خدمت کے بہت سارے کام سرانجام دینے کے قابل ہوتا ہے۔

انسانیت کو بچانے کی ضرورت

•اس وقت انسانیت، نفس پرستی کے قوتوں کے غلبہ اور مادیت میں استغراق اور فساد پر مشتمل مزاج کی وجہ سے تیزی سے جہنم کے راستے پر جا رہی ہے، مسلمانوں کے علمی اور ذہنی

صلاحیتوں کے حامل افراد کو قدرت نے یہ موقعہ دیا ہے کہ وہ انسانیت تک دین کی بنیادی دعوت پہنچانے کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں وقف کر دیں، لیکن اس کام میں ان کو برکت، اور تقویت اس وقت حاصل ہو گی، جب وہ ذکر و فکر کے ذریعہ اللہ سے مستحکم تعلق قائم کریں گے، اخلاص اور دلسوزی سے ہونے والا دعوتی کام تاثیر رکھتا ہے، اخلاص اور یہ دل سوزی ذکر و فکر سے ہی پیدا ہو گی، اس لئے کہ ذکر و فکر فرد سے اپنی شخصیت کو مٹا کر اللہ کے رنگ کو غالب کر لیتا ہے۔

نظام تعلیم میں تربیت کا شامل ہونا

کسی بھی قوم کا نظام تعلیم افراد کو تیار کرنے کا طاقتور ذریعہ ہوتا ہے، اس لئے کہ نظام تعلیم میں تربیت شامل ہوتی ہے، مغرب کی اب تک برتری کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ اس نے اپنے نظام تعلیم میں قوم سے ہمہ آہنگ اخلاقی تربیت کا انتظام کیا ہے، جس کی وجہ سے ان کے ہاں لوٹ مار اور رشوت نہیں ہے اور احساس ذمہ داری موجود ہے۔

ایران نے خمینی کے انقلاب کے بعد سے نظام تعلیم میں تربیت کا ایسا نظام شامل کیا ہے جس سے قومی وحدت کے لئے جان و مال کی قربانی دینے والے افراد پیدا ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

ہم بھی اگر اپنے نظام تعلیم میں پاکیزہ تربیت و تزکیہ کی روح شامل کریں تو ہم بہت سارے مسائل پر آسانی سے قابو پا سکتے ہیں، اس سے رشوت، لوٹ مار اور بد دیانتی کا میلان ختم ہو گا، احساس ذمہ داری پیدا ہو گی، قومی وحدت کا جذبہ پیدا ہو گا، ذاتی اغراض و مفادات سے بلند ہو کر قوم و ملت کی خدمت کا جذبہ پیدا ہو گا، اقتدار کو امانت سمجھکر اس کے صحیح استعمال کی صورت پیدا ہو گی، مقتدر طبقات ظلم و ستم کرنے سے پہلے سو بار آخرت میں اس کا ہونے والا انجام کا سوچیں گے۔

تربیت و تزکیہ کے بغیر مفادات کی لڑائی ہی ہوتی ہے، جس سے قوم زوال سے دوچار ہوتی ہے، اغراض و مفادات کی دنیا چند دنوں کی ہوتی ہے، جو خواب کی طرح گزر جاتی ہے، چند دنوں کے اغراض و مفادات کی خاطر اپنی نسلوں کے مستقبل کو تاریک بنانا دانشمندی ہر گز نہیں۔

حقیقی طالب کی صفات و علامتیں

حقیقی طالب وہ ہے جو اللہ سے محبت کا شوق رکھتا ہو • روحانی استاد سے محبت رکھتا ہو • صبح شام ذکر کے لئے وقت نکالتا ہو • نماز کا پابند ہو • غیر ضروری کاموں میں الجھنے سے بچتا ہو • زیادہ قیل و قال سے پرہیز کرتا ہو • غیر جنس افراد سے دور رہتا ہو (غیر جنس سے مراد تصوف کے مخالف افراد ہیں۔)

• جب تک قابل ذکر حد تک اصلاح نہ ہو تب تک روحانی استاد سے گہرا تعلق رکھتا ہو۔ روحانی استاد بدلنے سے پرہیز کرتا ہو، اس لئے کہ اس سے فیوض سے محرومی کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

• قبض و بے چینی کے کیسے بھی حالات ہوں، ان پر صبر و حوصلہ سے کام لیتا ہو • استغفار درود اور تلاوت روزانہ کے معمولات میں شامل ہو۔

سلوک کی تکمیل ہر ایک کے لئے تو مشکل ہے، لیکن ذکر کے ملکہ کا مستحکم ہونا ناگزیر ہے، جب تک ذکر کا ملکہ مستحکم نہیں ہوتا، تب تک طالب کو روحانی استاد کی معیت کو چھوڑنا نہیں ہے، دوسری صورت میں اس کے حالات خراب ہونے کا خطرہ ہے اور وہ گرنا شروع ہو جائے گا، عام فرد کے سلوک کی تکمیل یہی ہے کہ اس کے ذکر کا ملکہ مستحکم ہو اور وہ ذکر کے بغیر رہ نہ سکے۔

طالب اس احتیاط سے چلے گا تو وہ زندگی میں عجیب خیر و برکت محسوس کرے گا۔

طالب کے لئے یہ احتیاط بھی ضروری ہے کہ وہ دوست واحباب سے تصوف اور ذکر و مراقبہ کے حوالے سے بحث سے پرہیز اختیار کرے، اس لئے کہ اس سے بحث و مباحثہ کی

صورت پیدا ہوتی ہے، نوبت ضد اور کج بحثی تک پہنچ جاتی ہے، جس سے طالب اذیت کا شکار ہو جاتا ہے۔

• معاشرے میں تصوف کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے اسے طالب کو سمجھنا تو ضرور چاہیے، لیکن اس پر تنقید کرنے سے بچنا چاہئے، اس لئے کہ مبتدی طالب کی طرف سے تنقید سے اس کے اندر اپنی بڑائی اور برتری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، بلکہ مبتدی اور متوسط طالب کو ہر طرح کی تنقید سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اصلاح نفس کے لئے شخصیت کی ضرورت اور اس کی صفات

اصلاح نفس کے کام کے لئے ذکر و فکر کے ساتھ شخصیت کا کردار بھی اہم ہے، جس شخصیت کی معیت میں اصلاح نفس کا سفر طے ہو، اس میں اہم خصوصیات کا ہونا ضروری ہے دوسری صورت میں فرد، اصلاح نفس کے نام پر دوراہے پر کھڑا ہو جاتا ہے، اس شخصیت کی کچھ نمایاں خصوصیات یہ ہیں۔

• جس کو دیکھنے سے اللہ یاد آجائے، • جس کی صحبت اختیار کرتے رہنے سے اصلاح کا ارتقائی سلسلہ جاری ہو • جس کی صحبت سے نئی زندگی شروع ہو • جو دولت و دنیا اور شہرت وغیرہ سے دور ہو۔ • جسے مرید بنانے کا شوق نہ ہو۔ • جو اپنی اصلاح سے بے نیاز نہ ہو • اس کی معاشرت میں مالداروں سے مشابہت نہ ہو۔ • سادہ طرز زندگی اس کا وظیفہ ہو • وہ نفس کی وسیع دنیا کا مشاہدہ کر کے اس کے مکر و فریب کی ساری واردات اور ساری راہوں سے آشنا ہو • وہ طالبوں کی ان کے حالات کی مناسبت سے اطمینان بخش رہنمائی کرنے والا ہو۔

• اسلامی شریعت کا مکمل طور پر پابند ہو • اس میں عاجزی موجود ہو • وہ طالبوں کو دستیاب ہو اور ان سے ملنا آسان ہو • اس کے ہاں کیفیات اور کشف و کرامات کے بجائے اعمال پر زور ہو۔

• وہ طالبوں سے ذاتی نوعیت کا تعلق رکھتا ہو۔

اس طرح کا شیخ ہی طالبوں کو نفس کی گھاٹیوں سے گزار کر نفس مطمئنہ کے مقام تک پہنچا سکتا ہے، مجھ جیسا سیاہ کار بھی قرب و جوار میں اس طرح کے شیخ کی تلاش میں ہے، تاکہ نفس کی بے لگام قوت کو لگام کی صورت مل سکے۔

عالمی نظام کا حصہ بننے سے بچاؤ کی صورت

ہم عالمی نظام کا ایسا حصہ بن گئے ہیں کہ اس سے نکلنے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی، اس سے نکلنے کی ایک ہی صورت ہے کہ دینی جماعتیں طاقتور ہوں اور معاشرہ ان کی پشت پر ہو، لیکن دینی جماعتوں کے طاقتور ہونے کی صورت بھی ایک ہی ہے وہ یہ ہے کہ ان جماعتوں سے وابستہ افراد دل و جان سے اللہ اللہ کرنے کے مزاج کے حامل ہوں اور اللہ سے ان سے گہرا اور مستحکم تعلق ہو، اللہ اللہ کو مزاج کا حصہ بنانے سے ایک تو ان کے کردار میں طاقت پیدا ہو گی، ان کی باتوں میں تاثیر ہو گی، ان کے اندر غیر معمولی خود اعتمادی پیدا ہو گی، سب سے بڑی بات یہ کہ اس سے اللہ کی مدد ان کے ساتھ شامل ہو گی، اللہ اللہ کرنے سے وہ افراد معاشرہ کو اپنے قریب کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

دینی تبدیلی کا کام زبان سے نہیں ہوتا، وہ دل کی طاقت سے ہوتا ہے، دل کی طاقت اللہ اللہ کرنے سے ہی بنتی ہے۔

جب معاشرے میں اللہ اللہ کرنے والے افراد کی طاقتور ٹیم تیار ہو گی تو عالمی طاقت کے علمبرداروں کے دلوں میں اللہ کی طرف سے رعب پیدا ہو گا اور دینداروں کی طرف سے ہونے والی اللہ اللہ کی صدا، اور اللہ اللہ سے بننے والا کردار عالمی طاغوت کی صفوں میں ہلچل برپا کرنے کا ذریعہ بنے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کو جب نبوت کا پیغام لے کر فرعون کے پاس بھیجا تو ان کو اپنے ذکر ہی کی تاکید فرمائی کہ ذکر سے غافل نہ ہونا **اذھب انت واخوک بآیاتی ولا تنیا فی ذکری۔**

اس سے ذکر کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ فرعون کی طاقت کے مقابلے میں ذکر ہی کام دے سکتا ہے کہ ذکر سے دلیں مستحکم ہوتی ہیں۔

دینی مدارس

اور اہل اللہ کی مجلسیں دونوں کی ضرورت

مدارس، دینی علوم کا مرکز ہیں جہاں سے دینی علوم حاصل کئے جاتے ہیں، اور لوگوں کی دینی معاملات میں عملی زندگی میں رہنمائی کی جاتی ہے، جب کہ اہل اللہ کی مجلسیں علم میں موجود نور تک رسائی کا ذریعہ ہیں، اس لئے دونوں کی اہمیت اور ضرورت ہے، بہتر تو یہ ہوتا کہ دینی مدارس میں کچھ حصہ اللہ اللہ کرنے کے لئے وقف ہوتا، یہ نصاب کا حصہ ہوتا، تاکہ مدرسہ سے فراغت کے بعد اہل اللہ کی طرف رجوع میں جو غفلت رہتی ہے، اس کی کمی پوری ہو جاتی۔

الحاصل یہ کہ علماء کو اہل اللہ سے ضرور تعلق مستحکم کر کے اپنی تربیت وتزکیہ کا اہتمام کرنا چاہئے اور علم میں موجود نور کے حصول کے لئے کوشاں ہونا چاہئے، تاکہ اپنے حاصل شدہ علم پر عمل کرنے میں آسانی ہو اور باطنی علم کے اجزا بھی حاصل ہوں۔

علماء کی قدر کرنا

اللہ اللہ کرنے والا فرد علماء کرام سے نہ تو بدظن ہوتا ہے اور نہ دور، اس لئے کہ علماء، دین کے تسلسل کو قائم رکھنے کا ذریعہ ہیں، علماء آٹھ دس سال تک دن رات ایک کر کے دینی علوم حاصل کرتے ہیں اور دینی مسائل میں وہ ہماری رہنمائی کرتے ہیں، پھر یہ ہے کہ موجودہ دور میں علماء کرام کا معاوضہ اتنا کم ہے کہ چپراسی کے معاوضہ سے آدھا بھی نہیں، اتنے قلیل معاوضہ پر کل وقتی دینی خدمات سرانجام دینا، یہ انہی کے ساتھ مخصوص ہے، علماء کی قدر

کرنے کا مطلب ہے دین کی قدر کرنا، دین کی قدر کرنے سے اللہ کی طرف سے فرد کو نوازا جاتا ہے، جب کہ علماء کو حقیر سمجھنے سے دل میں حجابات پیدا ہو جاتے ہیں۔

باقی جہاں تک فقہی مسائل میں علماء کے درمیاں اختلافات ہیں تو یہ اختلافات تو فطری ہیں، اس سے نئے نئے مسائل میں دین کی راہیں کھلتی ہیں، البتہ دین کے بنیادی معاملات میں ان کے درمیاں کوئی اختلاف نہیں، اس لئے اس طرح کے اختلافات سے پریشان ہونے یا علماء سے بدظن ہونے کی ضرورت نہیں، اللہ اللہ کرنے والا علماء کی دل سے قدر کرتا ہے۔

انسان، صحیح معنٰی میں انسان بننے سے

فراری کیوں؟

انسان کی سعادت صحیح معنٰی میں انسان بننے سے وابستہ ہے، لیکن عام طور پر انسان، انسان بننے کے لئے تیار نہیں ہے، اسے حدود وقیود کی پابندی گوارا نہیں، وہ آزادی چاہتا ہے، اور خواہشات کی آخری حد تک تکمیل چاہتا ہے، خواہشات میں اسے ایسی لذت محسوس ہوتی ہے کہ وہ اس لذت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں، وہ اپنے آپ کو نفس کی زنجیروں میں بندھا ہوا محسوس پاتا ہے، حالانکہ اسے اللہ کی طرف سے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اگر چاہے تو مجاہدوں سے بڑے سے بڑا ولی بن سکتا ہے، لیکن وہ اس مقصد کے لئے مجاہدوں سے کام لینے کے لئے تیار نہیں ہے، اس کی وجہ سے اس کی دنیاوی اور آخرت کی زندگی دونوں سخت خسارہ سے دوچار ہیں۔

انسان کو صحیح معنٰی میں انسان بنانے کے مراکز اہل اللہ کی مجلسیں رہی ہیں، جو ہمیشہ یہ کردار ادا کرتی رہی ہیں، لیکن موجودہ دور میں نفس پرستی اور مادیت کے غلبہ کی وجہ سے حقیقی اہل اللہ کی مجلسیں عام طور پر ویرانی کا منظر پیش کر رہی ہے۔

یہ انسانیت کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ وہ انسان بننے اور اللہ سے قریب ہونے سے دور ہے۔

محبوب کی بات اور ذکر کا
لاکھوں دلائل پر بھاری ہونا

سندھ کے بہت بڑے صوفی شاعر قاضی قادن فرماتے ہیں۔

سپيريان جي ڳالهڙي ليکن دليلي

شاعر کہتے ہیں محبوب کی بات ہی ایسی ہے جو لاکھوں دلائل پر بھاری ہے، کہاں محبوب کی ہستی اور اس کا حسن کہاں مادی عقل، جو مادی حسن سے اوپر اٹھنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں، محبوب کے لئے اس مادی عقل کو لاکھوں دلائل ہی کیوں نہ دیئے جائیں، یہ مادی حسن پر فریفتہ عقل ان دلائل سے مطمئن نہ ہوگا، اس لئے کہ مادہ کے سانچے سے بنی ہوئی عقل، حسن اعلیٰ کی ہستی کو سمجھ ہی نہیں سکتا، جب تک اسے وحی اور دل اور روح کی رہنمائی حاصل نہ ہو۔

عقل، دلائل پر دلائل مانگتا ہے، ہر دلیل کو مسترد کرنے کے لئے وہ سود و سرے دلائل لاتا ہے، یہ ناقص عقل حسن کی خالق ہستی کا ادراک کر سکے، ممکن ہی نہیں، اس کے لئے دل اور روح کی صلاحیتوں سے کام لینے اور ان صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ دل اور روح مادی نہیں، وہ جوہری چیزیں ہیں، ان دونوں جوہری قوتوں کے ذریعہ ہی حسن کی خالق ہستی، اس کی ذات اور اس کے حسن کی شعاؤں سے بہرہ ور ہوا جا سکتا ہے، جب یہ دونوں جوہری قوتیں محبوب کے جمال سے آشنا ہوں گی تو ان کے زیر اثر عقل کو بھی اس حسن کے کچھ اجزا حاصل ہوں گے، جس سے عقل مسحور ہو کر اپنے آپ کو محبوب کے حوالے کر دے گی اور بغیر چوں چراں کے دل اور روح کے جھڑوکوں سے محبوب کا کچھ مشاہدہ کرنے کے قابل ہو گی۔

شاعر کہتا ہے محبوب کو پانے کا ذریعہ یہی ہے ورنہ عقل حقیقت سے ناآشنا ہو کر زندگی بھر دربدر کی ٹھوکریں کھاتا رہے گا اور محبوب کے لئے دلائل پر دلائل طلب کرتا رہے گا۔

محبوب کا نام اور اس کا ذکر ہی ایسی چیز ہے جس سے فرد کو حسن کا وافر ذخیرہ ملتا ہے اور وہ بلندسے بہت بلند ہو کر محبوب کے سامنے سجدہ ریز ہونے لگتا ہے۔

شاعر نے جذبات کہی ہے وہ محبوب پر خدا ہر فرد کے دل کی آواز ہے کہ وہ محبوب کے نام اور اس کے ذکر سے تسلی پاتے ہیں اور محبوب کے واسطے سے اپنے سارے مسائل کا حل پاتے ہیں۔

محبوب کا خصیص بندہ ہو کر محبوب کا انکار کرنا یا نفس اور شیطان کے زیر اثر محبوب کے لئے دلائل پر دلائل مانگتے رہنا اور اسی حالت پر زندگی گزارنا یہ عقل ہی نہیں، ساری انسانی شخصیت کے لئے ہلاکت کا سودہ ہے، آج انسانیت اپنے حقیقی خالق اور حقیقی محبوب سے انکار یا اس سے دوری کا راستہ اختیار کر کے ذہنی مریض بن چکی ہے، اور اس کا شکار ہو چکی ہے اور اپنی معاشرتی اور گھر والی زندگی کو ویران کر چکی ہے، یہ تو محبوب سے دوری کی معمولی نفد سزا ہے اس کی ابدالاباد والی زندگی میں جو سزا ملے گی وہ بہت زیادہ ہولناک سزا ہو گی۔

انسانیت کو اپنی حالت زار پر رحم کھاتے ہوئے اپنی خالق ہستی اور اپنی محبوب ترین ہستی کا ادراک حاصل کر کے اس کے مشاہدہ کی راہ پر آنا ہو گا، اس سے نفس اور مادی عقل کے فریب سے بھی بچ سکے گی۔

شاعر نے ایک سطری شعر میں ایسی بات کہی ہے جو ضخیم کتاب میں پیش کرنا بھی مشکل تھا یہ عشق کا خاصہ اور کمال ہے کہ وہ معرفت سے وابستہ علوم کو اس طرح کھول کر بیان کرتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اس کے لئے دلائل کے جال سے نکلنا آسان ہو جاتا ہے۔

عقل جب وحی، روح اور دل کی رہنمائی میں محبوب کو پانے میں کامیاب ہوتا ہے تو اس سے عقل پر بے شمار حقائق راز کھلتے ہیں، اس سے عقل انسانیت تک حق و صداقت کا پیغام پہنچانے کے لئے غیر معمولی کارنامے سرانجام ہے۔ دینے لگتا ہے انسانیت کو آج اسی عقل سلیم کی ضرورت ہے۔

بندہ مومن کو روزانہ

نفس کی نئی نئی واردات کا سامنا کرنا

شخصیت کی پاکیزہ بنیادوں پر تعمیر کا کام سب سے کٹھن کام ہے، اسی سے اللہ کی رضا بھی وابستہ ہے تو فرد کی انسانیت بھی۔ بندہ مومن کو روزانہ نفس کی نئی نئی واردات کا سامنا کرنا پڑتا ہے بالخصوص دورنگی اور تضاد کی حالت تو ایسی ہے کہ جو اس کی جان چھوڑنے کے لئے تیار نہیں، دورنگی کا مطلب یہ ہے کہ کچھ اعمال اللہ کے لئے اور کچھ نفس کے لئے۔

یہ حالت ایسی ہے، جس سے بندہ مومن بہت پریشان ہو جاتا ہے کہ آخر نفس کی قوت سے چھٹکارہ کب ملے گا؟

نفس کی قوت تو ایسی ہے جو آخر وقت تک اپنا کام کرتی رہتی ہے، البتہ کثرت ذکر سے اس کا زور ٹوٹ جاتا ہے، البتہ یہ قوت موجود رہتی ہے، انسان کی آزمائش اس بات میں ہی تو ہے کہ نفس کی قوت کی موجودگی میں فرد اس سے مزاحمت کر کے، اعمال سرانجام دے، اگر نفس کی قوت سرے سے ختم ہو جائے تو پھر آزمائش باقی نہیں رہتی۔

بزرگوں نے تو بڑی بڑی ریاضتیں کر کے نفس کو زیر کیا ہے، حضرت بایزید بسطامی اپنے بارے میں لکھتے ہیں۔

میں بارہ سال تک جنگلوں میں نفس کے حق میں لوہا بنا رہا، اور نفس کو ریاضت کی بھٹی میں ڈال کر مجاہدہ کی آگ سے گرم کر کے ملامت کے ہتھوڑے سے کوٹتا رہا، آخر کار میں نے اسے آئینہ بنایا، پانچ سال آئینہ بنانے میں صرف ہو گئے اور طرح طرح کی عبادات و ریاضات سے اسے صیقل کیا، پھر ایک سال اسے اغیار کی نظر سے دیکھا، پھر بھی اسے غرور اطاعت کے بھروسے اور عمل کی خود پسندی میں مبتلا دیکھا، پانچ سال اور کوشش کی پھر جب اسے دیکھا تو وہ مردہ تھا۔''

مدیر

ذہنی امراض کیوں پیدا ہوتے ہیں؟

اس وقت ذہنی امراض انسانیت کا سب سے اہم اور سنگین مسئلہ ہے، ذہنی امراض کی وجہ سے انسان کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے، بعض اوقات وہ معطل ہو جاتا ہے اور زندگی بھر نیند آور گولیاں کھانے پر مجبور ہوتا ہے، جدید نفسیات کے ہاں ذہنی امراض بالخصوص نفسیاتی نوعیت کے امراض کا مؤثر علاج نہیں ہے۔

ذہنی امراض کے جو اسباب ہیں، ان میں سے کچھ اس طرح کے ہیں • فطرت میں موجود حق و صداقت اور انسانیت کی صدا سننے سے انکار کا ہونا • دل اور روح کو انوار سے محروم کر کے مادیت کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا، • محبوب حقیقی سے محبت سے دور سے دور ہو جانا، جس کی وجہ سے روح کا انگاروں پر لیٹنا اور روح کے زیر اثر ذہن کا بیمار ہونا، • متشددانہ مزاج کا ہونا (جس سے بعض اوقات ذہن کے مفلوج ہونے کی نوبت آجاتی ہے)۔

اللہ کی زمین پر فساد پھیلانے اور ظلم سے کام لینا • تکبر کا مظاہرہ کرنا • دولت کو مقصود زندگی قرار دینا (قرآن میں ہے کہ ہم ان کو دولت اور کثرت اولاد دے کر دنیا میں ہی عذاب دینا چاہتے ہیں)۔

• ذہن سے صحیح کام لینے کے بجائے اسے منفی سوچ کا مرکز بنانا، • جنسی ہیجان خیزی کے مرض میں مبتلا ہونا (جو اس دور میں سوشل میڈیا کا ''کارنامہ'' ہے) • ذہن پر کام کا بہت زیادہ دباء ڈالنا • گھریلو مسائل کو محبت سے حل کرنے میں ناکام ہونا • اولاد کی نافرمانی کا صدمہ ہونا • معاشی حالات کا بگڑ جانا • ذہن کو کباڑ خانہ بنانا کہ (اسے غیر ضروری چیزوں سے بھرنا) • اللہ کی یاد کو بھلانا • دنیا کی یاد کو ہر وقت قائم رکھنا • عمل سے محروم ہو کر باتوں کا ''غازی'' ہونا • انسانوں سے محبت کے جذبہ سے عاری ہونا وغیرہ۔

جہاں ان میں سے زیادہ تر اسباب پیدا ہو جائیں گے، وہاں ذہنی امراض شدت اختیار کر جائیں گے، مسلم نفسیات کے ماہرین کے ہاں ہر قسم کے دماغی امراض بالخصوص ہر قسم کے ڈپریشن کا علاج موجود ہے، وہ ذہنی مریض کو خصوصی توجہ دینے کے ساتھ دل اور ذہن سے اللہ کے ذکر کو جاری کروا کر، ان کو پاکیزہ اور طاقتور غذا فراہم کرتے ہیں، جس سے رفتہ رفتہ ساری ذہنی بیماریاں کم ہو کر بالآخر ختم ہو جاتی ہیں۔

مدیر

خود شناسی کی ضرورت واہمیت

خود شنائی محض نفس کی قوتوں کو جاننے کا نام نہیں ہے، اگرچہ نفس کی قوتوں کو جاننا بھی بہت کٹھن کام ہے، نفس شناسی بیک وقت حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لئے خود شناسی کے بہت سے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

خود شناسی میں دل کے آئینہ کو صاف کرنا پڑتا ہے اور اس آئینہ میں اپنے اعمال اور ان کی حقیقت کو دیکھنا پڑتا ہے کہ وہ اخلاص سے عبارت ہیں یا ان میں تضاد موجود ہے۔

اگر خود شناسی کی صلاحیت حاصل ہو جائے تو فرد ہر وقت اپنے ایمانی حالات کا جائزہ لینے اور اس میں کمی بیشی کو درست کرنے کی صلاحیت کا حامل ہو جاتا ہے۔

خود شناسی کے دو پہلو ہیں، ایک روح کے تقاضوں کو سمجھنا۔ دوسرے نفس کی قوتوں کو سمجھکر ان قوتوں کو مہذب اور سلیقہ انسانیت سے ہمہ آہنگ بنانا، روح کے تقاضے یہ ہیں کہ وہ محبوب حقیقی کے وصال کے لئے بے تاب رہتا ہے، اس کی بے تابی قابل دید ہوتی ہے، جو محبوب حقیقی سے والہانہ محبت کے ذریعہ ہی پوری ہو سکتی ہیں، اس کے لئے روح کو ذکر و فکر کی بہت زیادہ خوراک کی ضرورت لاحق ہوتی ہے، جب کہ نفس کے تقاضے روح کے تقاضوں کے بالکل برعکس مادی دنیا اور مادی حسن پر ٹوٹ پڑنا ہے، نفس کی ان قوتوں کا مقابلہ روح کے تقاضوں یعنی اللہ سے والہانہ محبت اور ذکر و فکر کی کثرت کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔

خود شناسی میں روح اور نفس دونوں کے تقاضے آجاتے ہیں، جب روح کے تقاضوں کی تشفی ہونے لگتی ہے تو نفس کی حالت میں بھی تغیر آنے لگتا ہے اور نفس امارہ سے لوامہ اور لوامہ سے مطمئنہ کی صورت اختیار کرنے لگتا ہے، لیکن اس کے لئے کافی سے زیادہ ذکر و فکر کے مجاہدوں سے کام لینا پڑتا ہے، اس سے پھر نفس شناسی کا ملکہ حاصل ہونے لگتا ہے، نفس

شناسی کے نتیجہ میں خداشناسی کی نعمت حاصل ہوتی ہے، یعنی جب نفس کی قوت روحانی اور رحمانی قوتوں کے تابع ہوتی ہے تو خداشناسی حاصل ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نفس شناسی محض نفس کو جاننے کا نام نہیں ہے کہ اس کے تقاضے کیا ہیں، بلکہ نفس شناسی اس معرفت کا نام ہے، جس میں روحانی قوتیں نفس کی قوتوں پر غالب آتی ہیں اور پوری انسانی شخصیت پر اللہ کی حکمرانی قائم اور غالب ہونے لگتی ہے، نفس شناسی اگر محض نفس کی قوتوں کو جاننے کا نام ہوتا تو یہ ہر ایک کر سکتا تھا۔

لیکن نفس شناسی میں نفس کی قوتوں کو مفتوح کر کے طویل عرصہ تک ان سے جنگ لڑنی پڑتی ہے۔

خودشناسی کا حامل فرد معاشرے کا قیمتی فرد ہوتا ہے، جو اپنی ذات سے دوسروں کو نقصان پہنچانے کے بجائے فائدہ ہی پہنچاتا ہے، جس کے خدا سے تعلقات بھی مستحکم ہوتے ہیں یعنی وہ خودشناسی کے ساتھ ساتھ کسی حد تک خداشناسی کا حامل بھی ہوتا ہے، خداشناسی کا ملکہ کامل طور پر حاصل ہو یہ پیغمبروں کے علاوہ دوسروں کے لئے مشکل تر ہے، البتہ ذکر و فکر کی کثرت سے اللہ کی شان عظمت کے غلبہ کی بنا پر خدا کی کسی حد تک معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

محترمہ مریم جمیلہ مرحومہ:

میرا مطالعہ

''مجھے مثبت طور پر نفرت ہے ان جرائد سے جو اسلام کو جدید زمانہ کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں'' چھوٹی سی تھی جب میں اسکول میں داخل ہوئی، میرے مطالعہ کا آغاز اسی زمانہ میں ہوا اور چھ برس کی عمر میں کچھ پڑھ لینے کے قابل ہونے سے قبل ابا، امی اور باجی سونے سے قبل مجھے بلند آواز میں کہانیاں پڑھ کر سناتے تھے، اس چھوٹی سی عمر میں مجھے جانوروں کی کہانیاں خاص طور پر کپلنگ صاحب کی ''جنگل کی کہانی'' بے حد پسند تھی، جوں جوں میں بڑی ہوتی گئی مجھے دنیا کے مختلف ممالک کے بچوں کی کہانیاں پسند آنے لگیں، دس برس کی عمر میں مجھ میں سوانح عمریاں اور تاریخ کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا، گو کالج کے زمانے میں امی کو انگریزی ادبیات سے گویا والہانہ لگاؤ رہا تھا لیکن میری طبیعت کا رجحان ابا کے ذوق یعنی غیر ادبی چیزوں کی طرف تھا۔

اگرچہ مجھے مطالعے کا ہوکا لگا رہتا تھا تاہم اسکول میں انگریزی ادبیات مجھے پہاڑ معلوم ہوتی تھیں، بچپن، بلوغت اور شباب کے زمانوں میں کبھی بھی نظم یا نثر میں انگریزی کلاسیکی ادب کا مطالعہ مجھ سے نہ ہو سکا، استادوں کے مجبور کرنے پر پڑھنے کا معاملہ مختلف ہے، انگریزی کا کلاسیکی ادب مجھے بیزار کن، بے معنی اور اپنی دلچسپیوں سے غیر متعلق نظر آتا اور تھوڑا بہت جو کچھ میں پڑھتی وہ بھی میرے حافظہ میں جڑ نہ پکڑتا، چاسر، شیکسپیئر، کیٹس، شیلے، تھیکرے اور دوسرے کلاسیکی انگریزی ادیب نہ تو میرے لئے دلچسپی کا کوئی سامان فراہم کر سکے اور نہ ہی میں ان کے بارے میں کچھ جان سکی، ان کی زبان اور ان کے خیالات دونوں میرے لئے اجنبی اور ناقابل فہم تھے تو صاحب! انگریزی کے کلاسیکی ادب کی سمجھ لیجئے مجھے ہوا تک نہیں لگی۔

امریکی نژاد ہونے کے باعث اردو کے مطالعہ نیز اردو ادب کی تفہیم اور اس سے لطف اندوز ہونے کی استعداد حسب دل خواہ نہیں ہو سکی، پس جو کتابیں میرے مطالعہ میں آتی ہیں زیادہ تر انگریزی زبان میں ہوتی ہیں، امریکہ میں پانچ برس سے اوپر (سیکنڈری اسکول اور کالج کے زمانے میں) میں نے فرانسیسی زبان سیکھی تھی اور اگرچہ پاکستان میں اس زبان کا جاننا کم وبیش بے مصرف ہے، پھر بھی میں اس زبان کا مطالعہ اس حد تک برقرار رکھتی ہوں کہ فرانسیسی کتب، جرائد اور اخبارات کا مطالعہ کر سکوں اور گاہے ماہے جب اسلامی امور پر کوئی انگریزی کتاب مجھے میسر نہیں آتی تو میں متعلقہ موضوع پر فرانسیسی کتاب دیکھ لیتی ہوں۔

اردو زبان پر عبور حاصل نہ ہونے کے باعث اس زبان کی کتب میری دسترس سے باہر ہیں تاہم بعض اردو تحریروں کے انگریزی تراجم کے توسط سے میرے ذہن پر گہرے نقوش ثبت ہیں، ان میں ایک تو علامہ اقبال کی نظم ''شکوہ اور جواب شکوہ'' ہے جس سے مجھے آربری صاحب نے آشنا کیا اور دوسرے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ''اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟'' کا انگریزی عکس ہے، علاوہ بریں علامہ اقبال کی نظموں ''اسرار خودی'' اور ''رموز بے خودی'' (انگریزی مترجمین نکلسن اور آربری صاحبان) نے بھی مجھے متاثر کیا ہے۔ شعراء میں مجھے جاہلی عرب شعراء پسند ہیں جن کا کلام چارلس رائل کے انگریزی تراجم کی بدولت مجھ تک پہنچا، پھر علامہ اقبال جن سے مجھے نکلسن اور آربری صاحبان نے روشناس کرایا۔

افسانہ نگاروں، مزاح نویسوں نیز طنز نگاروں سے مجھے رغبت نہیں کیونکہ اب میں سنجیدہ علمی مضامین کا مطالعہ کرتی ہوں، یوں مجھے فکشن کی مختلف اصناف لطیفہ، طنز، مزاح سبھی ناپسند ہیں۔ ایسے حضرات کی تحریریں مجھے اشتعال دلاتی ہیں اور چڑ چڑا کر دیتی ہیں جو ''معذرت خواہانہ انداز میں اسلام کی ایک ایسی جدید تعبیر پیش کرتے ہیں جو مغرب کے فلسفہ جدید کے اخلاقی اور علمی معیاروں سے لگا کھائیں اور اس شوق میں بہ بزر جہر اسلام کے بنیادی

اصولوں تک کو بدل دینے کی ہوس رکھتے ہیں تاکہ دنیاوی مصلحتوں کی خاطر اسلام کو رائج الوقت معیارات کے مطابق ڈھال دیا جائے'' پس مجھے مثبت طور پر نفرت ہے ان جرائد سے ''جو اسلام کو جدید زمانے کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں'' ان جرائد میں مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی کے شائع کردہ جرائد ''اسلامک اسٹڈیز'' اور ''امہ'' شامل ہیں، نیز خلیفہ عبدالحکیم، ظفراللہ خان، میاں عبدالرشید یا کمال اے فاروقی ایسے اصحاب قلم بھی۔ علاوہ بریں ہر قسم کی عامیانہ اور عریاں تحریروں نیز صنعت فلم سازی سے متعلق جرائد پر بھی میں مثبت طور پر تین حرف بھیجتی ہوں۔

میرے پسندیدہ موضوعات مطالعہ ہیں تاریخ، سوانح، انسانیت عمرانیات اور نفسیات خصوصاً آج کی دنیائے اسلام کے مسائل سے متعلق۔

میری محبوب ترین کتابیں ہیں قرآن مجید (انگریزی ترجمہ از پکتھال) مشکوٰۃ المصابیح شریف کا انگریزی ترجمہ و تفسیر از مولانا الحاج فضل الرحمن، اسلام میں عدل عمرانی (انگریزی) از سید قطب، اسلام چوراہے پر (انگریزی) از علامہ محمد اسد، مستقبل کا نظریہ حیات (انگریزی) از ڈاکٹر محمد رفیع الدین، بیسویں صدی کے ایک مسلمان شیخ: شیخ احمد علی علوی (انگریزی) از مارٹن لنگز، غزالی کا فکر و عمل (انگریزی) ترجمہ از منٹگمری واٹ، نیز مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی تالیفات ''مسئلہ قومیت'' ''اسلام کا اخلاقی نقطہ نظر'' ''تاریخ تجدید واحیائے دین'' کے انگریزی تراجم۔

میرے پسندیدہ جرائد ہیں ''دی مسیج'' جماعت اسلامی ہند (گزشتہ ایک برس سے کالعدم) کا ترجمان خلاف قانون جماعت اخوان المسلمون (قائد جماعت جناب سعید رمضان) کے ترجمان ''المسلمون'' کا انگریزی ضمیمہ، ''دی ریڈی اینس'' نئی دہلی، ینگ پاکستان ویکلی ڈھاکہ، ''دی مسلم ورلڈ'' موتمر عالم اسلامی، کراچی کا سرکاری جریدہ ''مسلم نیوز

انٹر نیشنل'' کراچی، ان جرائد میں باقاعدگی سے لکھتی ہوں، اس فہرست میں کراچی کے ''الیقین انٹر نیشنل'' کا اضافہ بھی کر لیجئے۔

میرے ذہنی نشو وارتقاء میں جس کتاب نے سب سے زیادہ حصہ لیا ہے وہ ہے علامہ محمد اسد کی ''اسلام چوراہے پر (Islam on the cross Roads) جسے لاہور کے ناشر شیخ محمد اشرف نے شائع کیا تھا، یہ کتاب اول اول 1934ء میں سپرد قلم کئی گئی تھی، مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ ''اسلام اور جدید مغربی تہذیب میں مصالحت ناممکن ہے'' اس موضوع پر یہ تصنیف میرے نزدیک شاہکار کا درجہ رکھتی ہے، اس تصنیف میں موجود استدلال مجھے اس درجہ متاثر کرنے والا نظر آیا کہ '' اسلام چوراہے پر'' نے خدمت اسلام کی جہت میں میری تصنیفی سعی وجدوجہد کی بنیاد اور مستقبل کیلئے منزل متعین کر دی، اس تصنیف کا جو موضوع تھا اور اس میں جو دلائل دیئے گئے تھے میرے تمام آئندہ مضامین کی اساس وہی بنے۔

جن دیگر مضامین وکتب نے مجھے متاثر کیا وہ ہیں ''اسلام: شمق'' (ترکیہ کے مرحوم پرنس سعید حلیم پاشا کے مضامین بعنوان ''مسلمان معاشرہ کی سیاسی اصلاح'' (انگریزی مترجم بکتھال صاحب) ''ہماری تقدیر: تاریخ کے آئینہ میں'' (انگریزی جناب اے کے بروہی) مطبوعہ جریدہ ''وائس آف اسلام'' کراچی شمارہ جون 1962ء ''فنون لطیفہ: حسن کیا ہے؟'' (انگریزی مترجم مصنف جناب ابراہیم علی چشتی) مطبوعہ پاکستان ٹائمز لاہور مؤرخہ 21، 28 فروری 1964ء نیز ''اسلامی تحقیق کا فریضہ'' (انگریزی) مصنف جناب ڈاکٹر محمد رفیع الدین مطبوعہ روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور مؤرخہ 2 اگست 1965ء۔

تنہائی اور سکون ان دونوں کی مطالعہ کیلئے مجھے ضرورت ہوتی ہے، پر شور ماحول کے لوگ مجھے چڑچڑا بنا دیتے ہیں اور مجھے آرام اور دل جمعی سے مطالعہ نہیں کرنے دیتے، چارپائی پر نیم دراز ہو کر پڑھنا مجھے مرغوب ہے، ایک گھنٹہ میں کوئی سو صفحے پڑھ لیتی ہوں جن کے

مطالب ذہن میں محفوظ رہتے ہیں، جب بھی وقت ملے پڑھ لیتی ہوں لیکن اکثر تیسرے پہر یا سر شام، ریل یا بحری جہاز سے لمبا سفر درپیش ہو تو چھوٹی چھوٹی کتابیں، اخبارات اور جرائد ساتھ لے لیتی ہوں لیکن کار میں یا ہوائی جہاز میں سفر کرتے وقت میرے لئے مطالعہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

مطالعہ کے متعلق میرے پیش نظر کوئی نپا تلا پروگرام نہیں ہوتا، زیر مطالعہ کتب پر نشانات لگانے، سطور کو روشنائی سے نمایاں کرنا یا کتاب کے حاشیوں میں یادداشتیں لکھنا، ان میں سے کسی کی عادت بھی مجھ میں نہیں پیدا ہوئی، یوں میں اس طرح کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتی، میری یادداشت اس تمام مطالعہ میں میرا ساتھ دیتی ہے جو میری دلچسپی کا باعث ہو یا جو مجھے متاثر کرے، اس ضمن میں تمام مرکزی افکار ان تحریروں کے مصنفوں کے نام وغیرہ میرے ذہن میں محفوظ رہتے ہیں، ایک اور وجہ میں اپنی کتابوں کو مکمل حالت میں دیکھنا چاہتی ہوں اور کسی طرح کے نشانات سے ان کا حلیہ بگاڑنا مجھے پسند نہیں۔

جی تو یہی چاہتا ہے کہ مطالعہ سے جو عطر مجھ تک پہنچا ہے اس کی خوشبو سے میرے گھر والوں اور احباب کے مشام جان بھی معطر ہوں لیکن تجربہ یہ ہے کہ فلسفہ و دانش ایسے موضوعات پر میری گفتگو سن کر لوگ باگ اول بے توجہی سے کام لیتے ہیں اور پھر دق بلکہ زچ ہو جاتے ہیں، پس اس حوصلہ شکن رویہ کے باعث اس خوشبو کو میں اپنے تک محدود رکھتی ہوں۔

پردہ کی کڑی پابند ہونے کے باعث چونکہ میں لاہور یونیورسٹی اور پبلک لائبریریوں سے استفادہ نہیں کر سکتی، پس جس کتاب کی مجھے ضرورت یا کمی محسوس ہو مجھے خریدنا پڑتی ہے تاہم صرف ضرورت نے ہی میرے ہاں ایک بڑے کتب خانے کو وجود نہیں بخشا، زیادہ سے زیادہ کتابیں خریدنے اور انہیں محفوظ رکھنے سے مجھے بے حد مسرت ہوتی ہے اور میں ایک طرح کا فخر محسوس کرتی ہوں، کتابوں سے مجھے ذاتی طور پر محبت ہے، انہیں میں حقیقی دوست سمجھتی

ہوں، پس اپنی کتابوں کو حتی الامکان نئی اور مکمل حالت میں رکھنے کی کوشش کرتی ہوں، اگر میری کتابوں کو کوئی ایذا پہنچے یا وہ کسی اور طرح اچھی حالت میں نہ ہوں تو میں اداس ہو جاتی ہوں، صرف زر کثیر سے میں ان کی نئی جلد بندی کرواتی ہوں، سرورق پر سیلوفین چڑھا دیتی ہوں تاکہ ان کا دلہنا پن تادیر قائم رہے۔

میرے کتب خانے میں اس وقت دو سو سے زائد کتابیں ہیں اور جب ان کی ضرورت نہ ہو تو انہیں ایک فولادی الماری میں مقفل اور بحفاظت رکھتی ہوں، ان کتابوں کے تعلق سے میں انتہاء درجہ کی خود غرض واقع ہوئی ہوں، ان کی ملکیت کے تعلق میں کسی قسم کا شرک مجھے گوارا نہیں، مانگنے سے کوئی کتاب صرف اس وقت مل سکے گی اگر اس کی کوئی فالتو جلد میرے پاس موجود ہو، میرے شوہر کتابیں مستعار دینے کے سلسلے میں لکھ لٹ واقع ہوئے ہیں لیکن ان کی ہاں سے کتابیں جاتے تو دیکھتی ہوں آتے نہیں دیکھتی، اکثر مستعار یے پرلے درجہ کے غیر ذمہ دار لوگ ہوتے ہیں اور ایسے غیر محتاط لوگوں کے ہاتھوں اپنی کتابوں کا گم ہونا یا مضرت اٹھانا مجھے پسند نہیں، مستعار دینے کی طرح مانگ کر پڑھنا اپنی عادت نہیں، اشد ضرورت کی بات دوسری ہے، جب کتاب مانگ کر پڑھنا پڑے تو میرے اعصاب قیامت سے دوچار ہو جاتے ہیں، مقدور بھر سرعت سے مطالعہ کرتی ہوں اور عموماً دوسرے دن لوٹا دیتی ہوں۔

میرے کتب خانہ کی اہم ترین کتب قرآن مجید، احادیث کے مجموعے، حضور رسول کریم ﷺ کی سیرت پاک پر تصنیفات، افلاطون، میکاولی، والٹیر، مارکس، ڈارون، فرائیڈ اور جان ڈیوی جیسے مغربی فلاسفہ کی تصنیفات، نیز ولفریڈ کنٹول اسمتھ، سموئیل، زویمر اور کیتھ کریگ جیسے مغربی و مسیحی مستشرقوں کی تصنیفات (ماڈرن اسلام ان انڈیا، اسلام ان ماڈرن ہسٹری، چائلڈ ہڈ ان دی مسلم ورلڈ اور کال آف دی میزیٹ) بشیر احمد ڈار کی تصنیف حیات سرسید احمد (انگریزی) نیز جدید زمانے کے معذرت خواہانہ انداز کی حامل امیر علی صاحب کی

اسپرٹ آف اسلام، ان کتابوں کو میں اپنا دوست نہیں دشمن سمجھتی ہوں لیکن اسلام سے متعلق غلط نظریات مجھے یہیں سے ملتے ہیں جن کی میں اپنی تحریروں میں تردید کرتی ہوں، اس اعتبار سے یہ تصانیف بے حد قیمتی ہیں۔ جن کتابوں کی مجھے ضرورت ہے خصوصاً وہ کتابیں جو اب امریکہ میں نایاب ہو چکی ہیں، ان کے حصول کیلئے میں اپنی سی ہر ممکن سعی کر گزرنا چاہتی ہوں، جب کتابوں کی کمی میں اپنے ہاں محسوس کرتی ہوں ان کے حصول کیلئے میں پائی پائی تک خرچ کرنے سے دریغ نہ کروں گی، میرے کتب خانے کی بعض کتب مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی و مولانا علی ندوی (لکھنو ہند) جیسی اہم شخصیتوں کی جانب سے تحفہ موصول ہوئی تھیں۔

ذاتی تجربہ سے براہ راست جو کچھ میسر نہیں آسکتا اس کے حصول کیلئے مطالعہ ناگزیر ہے، مطالعہ کتب سے فرد کے ذہنی افق کو وسعت میسر آتی ہے جو اس کی محدود زندگی سے کہیں دور ہوتی ہے، پس مطالعہ نہ تو محض ایک شغل ہے اور نہ ہی مسرت کی خاطر پڑھنا مطالعہ کا کوئی اچھا مصرف ہے، آج کی نوع بہ نوع مصروفیات میں محصور فرد پر لازم ہے کہ وہ اپنے فرصت کے اوقات میں مطالعہ کیلئے (مثلاً شام کو کھانے کے بعد تھوڑی دیر کیلئے) کچھ وقت نکالے خواہ اس کیلئے اسے احباب کی ملاقاتوں کے وقت میں کمی کرنی پڑے، مطلوبہ کتابیں خرید کر، مستعار لے کر یا لائبریریوں سے کر مطالعہ کی جاسکتی ہیں۔

اسلامی طرز حیات، اسلامی نظام معاشرت، اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلام کے شاندار ماضی کے تعلق سے پاکستان کے مسلمانوں کو مناسب معلومات فراہم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہمارا تعلیمی نظام ان زبانوں کے مطالعہ پر زور دے جن کے مطالعہ سے ان ذرائع سے براہ راست واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے، پس عربی، فارسی اور اردو (عربی رسم الخط میں) کا جاننا کالج کے طلبہ کیلئے لازمی قرار دیا جائے، قرآن مجید کی کلاسیکی عربی زبان کے مطالعہ پر بالخصوص زور دیا جائے، ہمارے تعلیمی نظام کو قرآن مجید، حدیث پاک، سیرت

رسول اکرم ﷺ، اسلامی تاریخ اور دنیائے اسلام کے ہم عصر مسائل کے مطالعہ پر زور دینا چاہیے۔ ان علوم کی تحصیل اسلام کے خالص فلسفیانہ نکتہ نظر سے ہونی چاہیے اور اسے متجددین معذورین کی فکری آلائشوں سے پاک رکھا جانا چاہیے، اس سلسلہ میں جن لکھنے والوں کو پڑھنے کی خصوصی سفارش کی جائے وہ امام بخاری جیسے محدث، ابن اسحاق اور ابن ہشام ایسے ثقہ سیرت نگار کتاب المغازی ایسی تالیف کے مولف الواقدی، نیز امام غزالی، شاہ ولی اللہ، علامہ اقبال کی فارسی اور اردو شاعری، شیخ حسن البناء اور مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کی تمام تالیفات۔

تعلیم یافتہ نوجوانوں کو میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ ان تمام اسلامی اور غیر اسلامی عمدہ تصنیفات کا بے کھٹکے مطالعہ کریں جو انہیں دلچسپ معلوم ہوں یا جو ان کے کاروبار وغیرہ سے تعلق رکھتی ہوں ایک طرف تو اسلامی تصنیفات کے گہرے مطالعے پر مبنی اسلامی ذہن بنانے کی ضرورت ہے دوسرے اہم انگریزی کتابوں کو دیکھنے کی بھی ضرورت ہے تاکہ دونوں کی تہذیبی و ثقافتی اقدار سے ان کے صحیح پس منظر میں آگاہی حاصل ہو سکے، نوجوان پاکستانیوں کو میں بالخصوص یہ مشورہ دوں گی کہ علامہ اقبال کا کلام اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی تمام تصنیفات کا مطالعہ کریں، اخبارات و جراند میں روزنامہ ''نوائے وقت'' کے مطالعہ کی سفارش کروں گی کیونکہ یہ ٹرسٹ زدہ نہیں، ماہناموں میں ''ترجمان القرآن'' کا مطالعہ سود مند رہے گا۔

والدین پر لازم ہے کہ خود اچھی کتابوں کے مطالعہ کی عادت ڈالیں اور اس طرح اپنے بچوں کیلئے ایک اچھی مثال قائم کریں، میں تو یقیناً یہی کروں گی اگرچہ میرا تجربہ یہ ہے کہ والدین کی مثال اور کوششیں بچوں کو بس ایک حد تک ہی متاثر کرتی ہیں اور والدین کے دائرہ اثر سے باہر کا ماحول بچوں کی پسند و ناپسند سے مل کر انہیں متاثر کرتا ہے۔ آخر میں قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کے بارے میں چند الفاظ اگرچہ تعلیمات اسلامی کے تعلق میں یہ بالکل ناکافی ہوگا

کہ قرآن مجید کو اس کا مفہوم سمجھے بغیر طوطے کی طرح رٹ لیا جائے لیکن میری رائے یہ ہے کہ اسلامی تربیت کی کلیتاً عدم موجودگی سے یہ کہیں بہتر ہوگا، اس کی بدولت بچہ کی تربیت ایک اسلامی ماحول میں ہو جاتی ہے اور اس کے دل میں کلمۃ اللہ کیلئے احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، بچہ اگر عربی متن کو نہ سمجھ سکے تو قرآن پاک کی قرات سے ہی اس کے کانوں میں قرآن قرآن پاک کی محض آواز ہی رس گھولتی رہے گی اس طرح ایک اچھی بنیاد میسر ہو جائے گی اور سن شعور تک پہنچتے پہنچتے عربی زبان پر عبور حاصل کرنے نیز قرآن پاک کے متن کو سمجھنے کی راہیں بھی کھل سکیں گی، ہمارے جدید روشن خیالوں کا یہ خیال کہ بچہ چونکہ عربی زبان سمجھ نہیں سکتا لہٰذا اسے قرآن کی قرآت سکھانا بے مصرف ہے ایک بہانہ ہے جسے اسلامی تہذیب و ثقافت کے دشمن اس لئے پیش کرتے ہیں تاکہ مسلمان بچے کو سرے سے اسلامی تعلیم مل ہی نہ سکی۔

پروفیسر چودھری عبدالحفیظ

حقیقی مجاہدانہ کردار کی ایک جھلک

وسط ایشیا کو تاخت وتاراج کرتے ہوئے تاتاری روس تک جا پہنچے۔ ۶۳۶ھ میں چنگیز خاں فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا اوکتائے خاں (۶۲۴ھ ۔ ۶۴۷ھ) تخت نشین ہوا۔ کیوک خاں کے بعد تاتاری امیروں نے منگو خاں بن تولی بن چنگیز خاں کے ہاتھ پر بیعت کر لی جس نے اپنے بھائی ہلاکو بن تولی کو ایران کا مستقل حاکم بنا دیا۔ منگو کا ایک بھائی مشرف بہ اسلام ہوا۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اس زمانے میں بغداد کا فرماں روا مستعصم باللہ تھا۔ برکہ نے تحریری طور پر مستعصم کی بیعت کر لی تھی، اس لیے تاتاریوں نے بغداد کا رخ نہ کیا، مگر ۶۵۵ھ میں مستعصم باللہ کے ایک شیعہ وزیر ابن علقمی نے ہلاکو کو بغداد آنے کی دعوت دی۔ اگرچہ عباسی خلافت کمزور تھی، لیکن وہ ابھی تک دنیائے اسلام کا مرکز تصور کی جاتی تھی۔ تمام اختیارات اور سیاہ وسفید کا مالک اس کا شیعہ وزیر ابن علقمی تھا۔ وہ اگرچہ بے پناہ صلاحیتوں کا مالک تھا، مگر سنی دشمنی میں بدنامی کی حد تک مشہور تھا۔ ہلاکو خاں کا وزیر مشہور فلسفی نصیر الدین طوسی کٹر شیعہ تھا۔ ابن علقمی نے اسی کی وساطت سے ہلاکو کو بغداد پر حملے کی دعوت دی تھی، بالآخر ذوالحجہ ۶۵۵ھ (۱۲۵۸ء) میں ہلاکو نے بغداد پر فوج کشی کی۔ انجام کار چالیس دن کے محاصرے کے بعد ہجری سال کے آغاز ماہ محرم ۶۵۶ھ میں مسلمانوں کی پانچ صدیوں پر محیط شان وشوکت کو اس

نے دریائے دجلہ کی طغیانیوں میں خس وخاشاک کی طرح بہا دیا۔ خلیفہ مستعصم کو نمدے میں لپیٹ کر ڈنڈے مار مار کر ہلاک کر دیا۔ تقریباً سوا لاکھ مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ بچوں، عورتوں بوڑھوں، حتیٰ کہ اپاہجوں کا بھی کوئی لحاظ نہ کیا۔ بغداد کی درس گاہوں، عمارات اور لائبریریوں کو جلا کر راکھ کر دیا۔ مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کی اس راکھ سے دریائے دجلہ کا پانی ایک ہفتہ تک سیاہ رہا۔ لاشوں کے جو انبار دجلہ کی نذر کیے گئے، ان سے سات دن تک دجلہ کا پانی سرخ رہا۔

بغداد کی اس تباہی وبربادی کے بعد تاتاریوں کا رخ شام اور مصر کی طرف مڑ گیا۔ اس دوران سیف وسنان اور قلم کے عظیم مجاہد حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے قلم اور سیف وسنان نے خوب جہاد کیا۔ صفر ۶۵۸ھ میں ہلاکو نے دمشق پر قبضہ کر لیا، مگر عین جالوت کے مقام پر ۲۵ رمضان المبارک ۶۵۸ھ کو تاتاریوں کو شکست سے دوچار کر کے دمشق ان کے قبضے سے آزاد کرا لیا گیا۔ ۷۰۰ھ کے آغاز میں پھر تاتاریوں کی آمد کی اطلاع ملی۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے قلم اور سیف وسنان نے خوب جہاد کیا۔ صفر ۶۵۸ھ میں ہلاکو نے دمشق پر قبضہ کر لیا، مگر عین جالوت کے مقام پر ۲۵ رمضان المبارک ۶۵۸ھ کو تاتاریوں کو شکست سے دوچار کر کے دمشق ان کے قبضے سے آزاد کرا لیا گیا۔ ۷۰۰ھ کے آغاز میں پھر تاتاریوں کی آمد کی اطلاع ملی۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جہاد کا اعلان کر دیا۔ شام اور مصر کے متعدد مقامات کے دورے کر کے مسلمانوں کو آمادۂ جہاد کیا۔ مصر میں بنفس نفیس جا کر سلطان مصر کو جہاد کے لیے آمادہ کیا۔ انہی ایام میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ملت اسلامیہ کے نام ایک خط تحریر فرمایا جس میں شام ومصر کے حالات کو رسول اکرم ﷺ کے غزوہ احزاب کے حالات سے تطبیق دے کر مسلمانوں کو یہ باور کرایا کہ جہاد ہی زندہ رہنے کا واحد راستہ ہے اور اگر ہم بھی رسول

اکرم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح ثابت قدم ہوگئے تو ہم پر بھی اللہ تعالیٰ کا کرم ہوگا، ان کی نصرت ہمارے شامل حال ہوگی اور ہم کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوں گے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یہ کاوش دعوت وترغیب جہاد بالقلم والسیف آخرکار رنگ لائی، ۲ رمضان المبارک ۷۰۲ھ میں شامی اور مصری فوجوں کا تاتاریوں سے گھمسان کا رن پڑا۔ بہت کم تاتاری بچ کر واپس جاسکے۔ مسلمانوں نے ٹیلوں، گھاٹیوں میں تاتاریوں کا پیچھا کیا۔ جو جان کے خوف سے بھاگ نکلے، وہ دریائے فرات کی موجوں کی نذر ہوگئے۔ (مقدمہ دعوت وعزیمت، ص: ۱۱۔۱۷، مختصرا)

فتنوں کا دور

۲۸۔ فتنوں سے پناہ

فتنوں سے نجات کے اسباب:

اسلامی شریعت نے فتنوں سے نجات اور سلامتی کے اسباب وقوع سے پہلے بیان کیے ہیں اور ساتھ ہی ان کے اثرات اور نقصان کم کرنے کے طریقے بھی واضح کیے ہیں۔ اس نے اُمت کے لیے درست راستہ بھی وضع کیا کہ وہ ان کے مقابلے میں کس طرح عمل کرے، لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان شرعی اسباب کو جانے جو اللہ تعالیٰ کی مدد وتوفیق سے اسے فتنوں کے اثرات اور ان کی بُرائی سے بچائیں۔

پہلا سبب: فتنوں کی جگہوں سے دور رہنا، ان کے اسباب سے بچنا اور خصوصا عام مسلمانوں کا ان اسباب سے فرار اختیار کرنا۔

چنانچہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

(یوشک ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر یفر بدینه من الفتن) (صحیح البخاری، رقم: ۷۰۸۸)

''وہ وقت قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال وہ بکریاں ہوں گی جنہیں وہ لے کر پہاڑی کی چوٹیوں اور بارش برسنے کی جگہوں پر چلا جائے گا۔ وہ فتنوں سے اپنے دین کی حفاظت کے لیے وہاں بھاگ کر آجائے گا۔''

(ستکون فتن القاعد فیها خیر من القائم والقائم خیر من الماشی والماشی فیها خیر من الساعی من تشرف الیها تستشرفه ومن وجد فیها ملجا او معاذ فلیعذبه)۔ (صحیح مسلم، رقم: ۲۸۸۶)

''عنقریب فتنے ہوں گے۔ ان میں بیٹھ رہنے والا کھڑے رہنے والے سے بہتر ہوگا اور ان میں کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور ان میں چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ جو بھی ان کو دیکھنے کی کوشش کرے گا، وہ اس کو اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ جس شخص کو ان سے پناہ مل سکے تو وہ اس پناہ کو ضرور حاصل کرے۔''

دوسرا سبب: کتاب وسنت کی پناہ کیونکہ انہی پر مضبوطی سے عمل کرنے سے فتنوں سے نجات اور اختلاف وانتشار سے حفاظت ہوتی ہے۔

چنانچہ فتنوں کے دور میں جب حق وباطل خلط ملط ہو جاتا ہے، شبہات اور گمراہی پھیلتی ہے تو مسلمانوں کے لیے سبب سے محفوظ راستہ قرآن اور سنت رسول ﷺ کو مضبوطی سے تھامنا ہے، یہی وہ دو سرچشمے ہیں جو انسان کو گمراہی سے بچاتے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ (آل عمران:۱۰۳)

''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔''

''حبل اللہ'' (اللہ کی رسی) سے مراد قرآن اور دین اسلام ہے۔ فتنوں کے دور میں انہی دو کو مضبوطی سے پکڑنا امت کی حفاظت کا ذریعہ بنتا ہے۔

قرآن کو ''نور'' کہا گیا ہے کیونکہ یہ جہالت اور گمراہی کے اندھیروں کو ختم کر دیتا ہے۔ فتنوں کے زمانے میں یہی نور انسان کو صحیح راستہ دکھاتا ہے:

قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ (المائدۃ: ۱۵)

''تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور واضح کتاب آچکی ہے۔''

اس لیے نجات صرف قرآن وسنت کی پیروی ہی میں ہے:

(ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب اللّٰه وسنتی) (موطا امام مالک، رقم:۲۔۸۹۹)

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب تک تم انہیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے، ہر گز گمراہ نہیں ہو گے، اللہ کی کتاب اور میری سنت۔''

چنانچہ فتنوں کے دور میں انسان کے لیے سب سے بڑی ضرورت صحیح دینی علم ہے۔ جب علم کم ہو تو حق وباطل میں تمیز ختم ہو جاتی ہے اور انسان گمراہی، بدعات اور غلط نظریات کا شکار ہو جاتا ہے، اس لیے فتنوں کے دور میں نجات کا سب سے اہم ذریعہ صحیح دینی علم ہے۔ جب مسلمان قرآن وسنت کا علم حاصل کرتے ہیں اور علمائے ربانی سے رہنمائی لیتے ہیں تو وہ گمراہیوں اور فتنوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنا اور اختلاف وجھگڑے سے بچنا بھی بہت اہم ہے۔ بہتر یہ ہے کہ انسان فتنوں کی مجلسوں، فضول بحثوں اور اشتعال انگیز باتوں سے دور رہے کیونکہ ہر بحث میں حصہ لینا فائدہ مند نہیں ہوتا۔ فتنوں کے زمانے میں اپنے دین کی سلامتی قائم رکھنا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔ (النساء:۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ کی اور رسول کی اور اپنے اولو الامر کی اطاعت کرو اور اگر کسی معاملے میں اختلاف ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔''

نبی ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا:

یاایها الناس! انی ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به فلن تضلوا ابدا کتاب اللّٰه وسنتی)۔ (السنن الکبری للبیہقی، رقم: ۲۲۸)

''اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑ دی ہے جس پر تم نے مضبوطی سے عمل کیا تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے، اللہ کی کتاب اور میری سنت۔''

جبکہ یہ پناہ اور اس کے لوازم تقوے کی تکمیل، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع، دین پر ثابت قدمی اور شریعت پر استقامت کے حصول سے مکمل ہوتی ہے۔

تیسرا سبب: فتنوں کے وقت مسلمان کو چاہیے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی قیادت کے ساتھ رہے۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

(ان اللّٰہ یرضی لکم ثلاثا ویکرہ لکم ثلاثا فیرضی لکم ان تعبدوہ ولا تشرکوا بہ شیئا وان تعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا ویکرہ لکم قیل وقال واضاعۃ المال وکثرۃ السؤ ال) (صحیح مسلم، رقم: ۱۷۱۵)

'' اللہ تمہارے لیے تین چیزوں پر راضی ہے اور تین چیزیں تمہارے لیے ناپسند کرتا ہے، چنانچہ وہ اس میں راضی ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور سب مل کر اللہ کی رسی تھامو اور پھوٹ میں مت پڑو۔ اور وہ تمہارے لیے ناپسند کرتا ہے کہ قیل و قال میں پڑا جائے، مال ضایع کیا جائے اور سوال بہت زیادہ ہو۔''

نبی ﷺ نے مزید فرمایا:

(ثلاث لایغل علیھن قلب مسلم اخلاص العمل اللّٰہ ومنا صحۃ ائمۃ ا لمسلمین ولزوم جماعتھم فان الدعوۃ تحیط من ورائھم) (سنن الترمذی، رقم:۲۶۵۸)

''تین چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے ایک مسلمان کا دل دھوکا نہیں کھا سکتا: عمل خالص اللہ کے لیے، مسلمانوں کے حکام کے ساتھ خیر خواہی اور مسلمانوں کی جماعت سے جڑ کر رہنا کیونکہ دعوت ان کا چاروں طرف سے احاطہ کرتی ہے۔''

چوتھا سبب: صبر، حلم اور عجلت سے بچنا۔ اس سے شرور سے بچاؤ حاصل ہوتا ہے، فتنوں کی شدت کم ہوتی اور شاطر دشمن کے منصوبے ناکام ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ (البقرۃ: ۱۵۳)

''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد لو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

زبیر بن عدی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ۔

''اتینا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فشکونا الیہ ما نلقی من الحجاج فقال: اصبروا فانہ لا یاتی علیکم زمان الا الذی بعدہ شر منہ حتی تلقوا ربکم۔ سمعتہ من نبیکم ﷺ۔'' (صحیح البخاری، رقم:۶۸۔۷۰)

''ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حجاج کے طرز عمل کی شکایت کی۔ انہوں نے کہا کہ صبر کرو کیونکہ تم پر جو دور بھی آتا ہے تو اس کے بعد آنے والا دور اس سے بھی بُرا ہوگا، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو۔ میں نے یہ بات تمہارے نبی ﷺ سے سنی ہے۔''

پانچواں سبب: علمائے ربانی اور اہل بصیرت سے رجوع کرنا، ان سے پوچھنا، ان سے سیکھنا اور شریعت کے مقاصد اور معاملات کے نتائج کو جاننے کی ہر ممکن کوشش کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (النساء:۸۳)

''اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے، اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول کی طرف اور اپنے حکم دینے والوں کی طرف لوٹاتے تو وہ لوگ اسے ضرور

جان لیتے جو ان میں سے اس کا اصل مطلب نکالتے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو بہت تھوڑے لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔''

فتنے اور حوادث عام لوگوں، خصوصاً نوجوانوں کے لیے مبہم ہوتے ہیں اور وہ حسن نیت اور جوش جذبات میں ایسی چیزیں کر بیٹھتے ہیں جن کے نتائج نقصان دہ ہوتے ہیں، جیسا کہ دور حاضر میں بھی اس کا مشاہدہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔

اس لیے ایسے حالات میں ہمیں خاص طور پر اس جامع نبوی دعا کا خاص اہتمام کرنا چاہیے:

''اللّٰھم انا نعوذبک من الفتن ما ظھر منھا وما بطن۔''

''اے اللہ! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں ظاہری باطنی تمام فتنوں سے۔''

کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

(تعوذوا باللّٰہ من الفتن ما ظھر منھا وما بطن)۔(صحیح مسلم، رقم:۲۸۶۷)

''(تمام) فتنوں سے جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں، اللہ کی پناہ مانگو۔''

چنانچہ فتنے دین و دنیا، دونوں کو تباہ کر دیتے ہیں، اس لیے ان سے بچاؤ اور احتیاط نہایت ضروری ہے۔ جو شخص اپنے باطن کی اصلاح کرے، دین کو مضبوطی سے تھامے، شبہات اور خواہشات سے بچے اور اللہ کا ذکر کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اسے فتنوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ظاہری و باطنی، تمام فتنوں سے بچائے اور دین پر ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

محمد موسیٰ بھٹو

ہمارے کچھ اہم معاملات

احادیث نبوی کی روشنی میں

اللہ کی طرف سے ۹ باتوں کے حکم کا ہونا
اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان

آپ نے فرمایا: اللہ نے مجھے ۹ باتوں کا حکم فرمایا ہے۔

(۱) اللہ سے ڈرتے رہوں، تنہائی میں ہوں یا لوگوں کے ساتھ، ہر حالت میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

(۲) عدل اور انصاف کی بات کروں، حالت غصہ میں ہوں یا حالتِ خوشی میں۔

(۳) غریبی اور خوشحالی دونوں حالتوں میں اعتدال کی راہ اختیار کروں۔

(۴) عزیز واقارب سے صلہ رحمی کروں، ان کے حقوق اچھی طرح ادا کروں، جو مجھ سے رشتہ توڑیں اور مجھ سے بدسلوکی کریں، میں ان سے بہتر سلوک روا رکھوں۔

(۵) ان لوگوں کو معاف کروں، جنہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔

(۶) خاموشی میں تفکر کرتا رہتا ہوں۔

(۷) میری گفتگو ذکر ہو۔

(۸) میری نظر عبرت والی ہو اور لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم کروں۔ (معارف الحدیث کتاب الرقاق۔ حدیث نمبر ۲۳۷)

جامع حدیث ہے جس میں لگ بھاری ساری اہم باتیں آگئیں ہیں، ایسی حدیث ہے جو مزاج کو مکمل طور پر اسلام سے ہمہ آہنگ بنانے سے متعلق ہے، جب تک خالص دینی مزاج پیدا نہ ہوگا، ان تعلیمات پر عمل محال ہے۔

اللہ سے ہر حالت میں ڈرتے رہنا، جب اللہ کا خوف غالب ہونے لگتا ہے تو فرد ہر بُرائی سے بچنے اور نیکی کی طرف لپکنے لگتا ہے، اللہ سے خوف وخشیت فرد میں عاجزی بھی پیدا کرتی ہے کہ فرد اپنے آپ کو اللہ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتا ہے۔

ہر طرح کے حالات میں صحیح بات کرنا، چاہے طبیعت میں حالتِ اشتعال ہو یا حالتِ خوشی، یہ بندہ مومن کی امتیازی خصوصیت ہوتی ہے، یہ خصوصیت آسانی سے پیدا نہیں ہوتی، عبدیت کے رنگ کے غالب ہونے سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

غریبی اور خوشحالی دونوں حالتوں میں اعتدال کے دامن کو تھامے رہنا اور حد اعتدال سے تجاوز نہ کرنا، یہ بھی قابل رشک خصوصیت ہے، ہماری عام طور پر حالت یہ ہوتی ہے کہ غربت ہوتی ہے تو طبیعت میں اداسی چھانے لگتی ہے اور معاشی ضروریات کے لئے غیر معمولی فکرمندی ہونے لگتی ہے کہ معلوم نہیں ہم کہیں معاشی طور پر دلدل میں مبتلا نہ ہو جائیں، حالانکہ اس طرح کے حالات میں اللہ سے مانگتے رہنے کی نفسیات غالب ہونی چاہئے، اور اللہ کی ذات سے امید رکھنی چاہئے کہ وہ عطا فرمائے گا، اور زمانہ کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑے گا، جس طرح اس نے اب تک عطا فرمایا، خوشحالی کے وقت میں فضول خرچی سے بچنا، حب مال سے بچ کر اپنی دولت میں مستحق افراد کو شریک کرنا اور تکبر میں مبتلا نہ ہونا، اس حدیث شریف میں اس کی تاکید ہے۔

عزیز واقارب سے ہر طرح کے حالات میں تعلقات کو قائم رکھنا اور اپنی وسعت کے مطابق ان کی مدد کرتے رہنا اور ان کے ناروا سلوک کے باوجود ان سے حسن سلوک کرنا یہ بھی بندہ مومن کی اہم خصوصیت ہے۔

جن لوگوں نے ظلم کیا ہے، ان کو یک طرفہ طور پر معاف کرنا، بلکہ ان کو نوازنا اور ان کے لئے دعائے خیر کرنا، یہ بڑے ظرف کی بات ہے، ایمان میں ارتقا کے نتیجے میں یہ خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔

خاموشی میں تفکر کرتا رہتا ہوں، یعنی میری خاموشی دنیاوی اور مادی تفکرات میں صرف ہونے کی بجائے اللہ سے تعلق کو مستحکم کرنے اور فکر آخرت میں اضافہ کرنے، اپنے دینی حالات کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنانے کی فکر اور دل سے اللہ کو یاد کرنے کا ذریعہ بن جائے، یہ تفکر بہت بڑی نعمت ہے۔

میری گفتگو ذکر ہو، یعنی بندہ مومن کے مزاج کی تشکیل اس طرح ہو جائے کہ اس کی گفتگو کا موضوع اللہ کے ذکر، دین کے تذکرہ، تزکیہ نفس کی باتوں، آخرت کی فکر مندی کی باتوں اور اپنے حالات کی اصلاح اور دین کے لئے ہونے والی فکر مندی کے باتوں کے علاوہ کچھ نہ ہو۔

جس شخص کا اس طرح کا مزاج بن جائے، وہ خوش نصیب ترین بندہ شمار ہوگا۔

ان ۹ باتوں میں لگ بھگ دین کی بنیادی باتیں شامل ہوگئیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان خصوصیات کا حامل بنادے۔

قرآن سے تعلق رکھنے والے خاص افراد

فرمایا: لوگوں میں سے کچھ (لوگ خاص) اللہ والے ہوتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا، یارسول اللہ وہ کون (خوش نصیب) لوگ ہیں، فرمایا، قرآن پڑھنے والے، وہی اللہ والے اور وہی اللہ کے خاص بندے ہیں۔ (ابن ماجہ ۲۱۵)

اس حدیث شریف میں اللہ والوں کی علامت بتائی گئی ہے کہ وہ قرآن سے محبتِ خاطر رکھتے ہیں، نیز قرآن سے ان کا مستحکم تعلق ہوتا ہے، ان کا قرآن سے اس طرح کا رشتہ قائم ہوتا ہے کہ وہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتے، انہیں قرآن ہی سے سکون ملتا ہے۔

اس طرح کے اہل اللہ، قرآن کے ساتھ ساتھ کثرت ذکر کے ذریعہ اللہ سے مناسبت کا تعلق قائم کر لیتے ہیں، آخر میں قرآن ہی ان کے روح کی غذا ہو جاتی ہے اور ان کی ساری ایمانی ترقی قرآن کی تلاوت اور اس پر غور و فکر سے ہی ہوتی ہے۔

قرآن کی تلاوت، اللہ سے راز و نیاز کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے، قرآن کی تلاوت کے ذریعہ آخرت کے محاسبہ سے بندہ لرزنے لگتا ہے، اور اس کی تیاری کے لئے ہر ممکن حد تک کوشاں بھی ہوتا ہے۔ قرآن کی تلاوت دل کی تنگی اور بے قراری کو دور کرنے کا باعث ہے، قرآن کی تلاوت سے ماضی کی نفس پرست اور سرکش قوموں کے عبرتناک حشر سے سبق حاصل کر کے، اپنی زندگی خالص اللہ پرستی کی بنیادوں پر بدلنے کا موجب ہے، قرآن پر غور و فکر سے قرآن میں موجود انوار تک رسائی کی صورت پیدا ہونے لگتی ہے، قرآن کی تلاوت کے ساتھ اگر ذکر و فکر کے مجاہدے بھی شامل ہوں تو بندہ کی، حساسیت میں غیر معمولی طور پر اضافہ ہو جاتا ہے، یہ حساسیت اللہ کے شان عظمت کے سلسلے میں بھی، تو ہر طرح کے منکرات سے بچنے اور اعمال کو سرانجام دینے کے سلسلے میں بھی۔

قرآن کی تلاوت اللہ کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں بھی فرد کو چوکنا اور مستعد رکھتی ہے، غرض کہ یہ ساری چیزیں مل ملا کر بندہ کو اللہ سے قریب تر کر دیتی ہے، اس طرح بندہ اللہ کے خاص بندوں یعنی اہل اللہ میں شامل ہو جاتا ہے، آرزو ہے اور دعا بھی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ایسے بندوں کی زندگی بھر صحبت اور معیت نصیب فرمائے اور آخرت میں انہی کے ساتھ اٹھائے۔

درجات کی بلندی میں

نیت کا کردار

فرمایا: اللہ تمہاری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ اللہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم ۶۵۴۳)

فرمایا: لوگو! اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرے گا۔ (بخاری شریف ۶۹۵۳)

فرمایا: لوگوں کو (قیامت کے دن) ان کی نیتوں کے مطابق اٹھایا جائے گا۔ (سنن ابن ماجہ)

نیت کے موضوع پر اس سے پہلے بھی ایک حدیث کی روشنی میں گفتگو ہو چکی ہے، یہ تین دوسری احادیث بھی ہیں، چونکہ نیت کو اعمال کی قبولیت میں بنیادی عمل دخل حاصل ہے، اس لئے نیت کے موضوع پر مزید گفتگو کی جارہی ہے۔

نفس، نیت میں بگاڑ پیدا کرنے کے لئے ہزار بہانے تلاش کرتا رہتا ہے، اس طرح نہ چاہتے ہوئے بھی فرد کی آرزو ہوتی ہے کہ افراد کو میرے نیک اعمال کی اطلاع ہو، تاکہ لوگ مجھے اچھا اور نیک سمجھنے لگیں۔ لوگوں کے سامنے جان بوجھ کر نیک اعمال کرنا اور تنہائی میں نیکی سے رغبت کا نہ ہونا، خود نمائی کا ہونا یہ بھی نفس ہی کا شاخصانہ ہے۔

نیت کو محض اللہ کے لئے بنانے کا کام اتنا کٹھن اور مشکل تریں کام ہے کہ اس کے لئے فرد کو غیر معمولی مجاہدوں سے کام لینا پڑتا ہے، طویل عرصہ کے مجاہدوں کے بعد کہیں جا کر نیت میں اخلاص پیدا ہوتا ہے، اخلاص پیدا ہونے کے بعد بھی اس حالتِ اخلاص کی نگہداشت کرنی پڑتی ہے۔

اخلاصِ نیت کے ساتھ چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی بہت بڑے عمل کی صورت اختیار کر جاتا ہے، اخلاص میں ملاوٹ کی وجہ سے بڑے سے بڑا عمل بھی غارت ہو جاتا ہے، اللہ کے ہاں اخلاص کی غیر معمولی طور پر زیادہ اہمیت ہے، یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ دنیا ملی ہی اس لئے ہے تاکہ اخلاص کے ساتھ اللہ کے لئے اعمال سرانجام دیئے جائیں اور اللہ کی مخلصانہ عبادت واطاعت کی جائے۔

مذکورہ احادیث اس سلسلے میں نیت کے رخ کو درست بنانے کے لئے مجاہدوں پر اکسانے کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔

امام غزالیؒ ''کیمیائے سعادت'' میں لکھتے ہیں:

بنی اسرائیل کے ایک فرد کا گزر ریت کے ایک بہت بڑے ٹیلے سے ہوا، اس وقت قحط سالی زوروں پر تھی، اس نے اپنے دل میں کہا کہ اے کاش! اس ٹیلے جتنا اناج میرے پاس ہوتا تو میں اسے اللہ کے محتاج بندوں میں خیرات کرتا، اس کی اس نیت کی وجہ سے وقت کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ میرے اس بندے سے کہدیں کہ تیرا صدقہ ہم نے قبول فرمایا، یعنی نیت فوراً اللہ کے ہاں قبول ہوئی اور اسے بہت بڑے ٹیلے جتنا اناج خیرات کرنے کا ثواب حاصل ہو گیا۔

شیخ سعدی نے ایک بادشاہ کا قصہ بیان کیا ہے کہ اس نے اپنے مشیروں سے کہا کہ فلاں شخص کی تنخواہ دگنی کر دو، کیونکہ وہ شاہی دربار سے کبھی غیر حاضر نہیں ہوا اور ہر وقت پوری طرح خدمت بجالاتا ہے، جب کہ دوسرے پوری طرح اپنے فرائض ادا نہیں کرتے، اس کی فنائیت قابل قدر ہے، ایک صاحبِ حال شخص نے جب بادشاہ کا یہ فرمان سنا تو نعرہ مستانہ بلند کیا اور وجد میں آگیا، لوگوں نے اس شخص سے اس کی کیفیت کے بارے میں پوچھا کہ اس میں ایسی کیا بات تھی کہ تم وجد میں آگئے، اس نے کہا کہ اللہ کی دربار میں بھی بندوں کا حال یہی ہے اور ہر ایک کا مقام و مرتبہ الگ الگ ہے اور زیادہ فنائیت کا مظاہرہ کرنے کے درجات اسی طرح بلند ہیں، جب کہ دوسروں کو یہ سعادت حاصل نہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ نیت میں اخلاص پیدا کرنے کی راہ میں نفس کی قوت شدید مزاحم ہے، وہ ہر عمل میں اپنا بھرپور حصہ رکھنا چاہتا ہے، نفس کی اس قوت کا ذکر و فکر کے مجاہدوں سے مقابلہ کئے بغیر اخلاص کی حالت اول تو پیدا نہیں ہوتی، اگر کچھ پیدا ہوتی بھی ہے تو مستحکم نہیں ہوتی، کثرت سے اللہ کے ذکر میں وہ نور اور توانائی موجود ہے، جو نفس کی قوت کو

پامال کرنے کا ذریعہ بنتی ہے، جب یہ قوت قابل ذکر حد تک پامال ہوتی ہے، تو اخلاص کی حالت قائم ہوتی ہے، اور بہتر سے بہتر بنتی جاتی ہے۔

اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی محبت کے حوالے سے دعا

حضرت عبداللہ بن یزید حطمی انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ ایک دعا یہ بھی کیا کرتے تھے **"اللّٰھم ارزقنی حبک وحب من ینفعنی حبہ عندک"** (اے اللہ مجھے اپنی محبت عطا فرما اور اپنے ان بندوں کی محبت عطا فرما، جن کی محبت تیرے نزدیک میرے لئے نافع ہو۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث شریف میں اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل کے ذریعہ امت کو دو چیزوں کی تعلیم دی ہے اور اللہ سے دو چیزیں مانگنے کی دعا بھی سکھائی ہے، ایک اللہ کی محبت اور اس محبت میں مسلسل ارتقا کی حالت، دوسرے اللہ سے محبت کرنے والوں کی محبت۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کا حصہ ہیں۔

اللہ کی محبت ایسی چیز ہے، جو فطرت کا سب سے طاقتور داعیہ (تقاضا) ہے، یہ محبت ہی ہے جو انسانی شخصیت کو اللہ کے لئے متحرک کرنے اور روحانی ارتقا کے مراحل طے کرنے اور نفس امارہ کو نفس مطمئنہ کی حالت میں تبدیل کرنے کے سلسلے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے، اللہ کی محبت فرد کو اللہ کے لئے بے چین رکھتی ہے، یہ بے چینی اس پر اللہ کے ذکر میں محویت کی حالت طاری کر دیتی ہے، ذکر میں اس محویت سے نفس پرستی کی قوتیں تابع ہوتی ہیں اور اسلامی شریعت، اعمال حسنہ اور اخلاق حسنہ کی راہ آسان ہونے لگتی ہے۔

اللہ سے والہانہ محبت سے جو کارنامے سرانجام ہوتے ہیں، وہ کسی دوسرے طریقہ سے نہیں ہوتے، راہ محبت میں چلنے کے لئے اللہ کی محبت کے رازدانوں کی محبت اور ان کی صحبت کی

ضرورت لاحق ہوتی ہے، تاکہ محبت کی شمع بجھنے نہ پائے، وہ مسلسل چلتی رہے، اللہ والوں کے ہاں چونکہ ذکر و فکر اور محبت کا ماحول ہوتا ہے، اس لئے ان کی محبت اور ان سے رابطہ کے نتیجہ میں دل کے ساز محبوب حقیقی کے لئے بجتے رہتے ہیں۔

یہ اہم حقیقت ہے کہ فرد کی اسلامی زندگی کا سارا تعلق اللہ کی محبت سے ہی قائم ہے، اللہ سے محبت جتنی زیادہ ہوگی، اسلامی زندگی اتنی زیادہ بہتر اور مستحکم ہوگی، اور کردار میں بلندی پیدا ہوگی، اور اللہ کے بندوں سے بے غرضانہ نوعیت کی محبت پیدا ہوگی، محبت میں جتنی زیادہ کمی ہوگی، زندگی میں اسلام کی نمود اتنی زیادہ کم ہوگی، محبت کی یہ خاصیت ہے کہ وہ فرد کو محبوب کی صفات کے رنگ میں رنگنے کا باعث بنتی ہے، بدنصیبی سے موجودہ دور میں محبت سے دوری کی روش اختیار کی گئی ہے، بلکہ محبت کا ادراک بھی سلب ہونے لگا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ مزاج میں سختی پیدا ہوگئی ہے اور مادیت پرستی اور اغراض پرستی کی فضا پیدا ہوگئی ہے۔

ہمیں اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کو معمول بنانا چاہئے اور محبت کے اجزاء سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ سے محبت کرنے والوں سے محبت کا تعلق بھی استوار کرنے کے لئے کوشاں ہونا چاہئے، ہر طرح کے فتنوں سے بچاؤ کی یہ مؤثر صورت ہے۔